

منصب رسالت کی عظمت و تکریم پر ایک نہایت اثر انگیز کتاب

مقامِ مصطفیٰ ﷺ

علامہ حافظ محمد
انوار اللہ قادری چشتی
رحمۃ اللہ علیہ

ALAHAZRAT NETWORK

اعلحضرت نیٹ ورک

www.alahazratnetwork.org



نام کتاب	مقام مصطفیٰ ﷺ یعنی تسہیل انوار احمدی
تصنیف	شیخ الاسلام حضرت علامہ انوار اللہ قدس سرہ
تألیف و تسہیل	حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ
ترتیب جدید	محمد امین قصوری نقشبندی

فدایان ختم نبوت پاکستان

0321-4370406

فہرست

	نشان منزل	10	کرنے کو شرک قرار دینے والے کی	
25	انوار احمدی	12	مذمت	
	حیدر آباد کا مبارک سفر	16	نواں اقتباس۔ حضور ﷺ کی بے	
26	کتاب کی خصوصیات	17	ادبی کی مذمت	
	حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر کی		دسواں اقتباس۔ آداب بارگاہ	
27	رحمۃ اللہ علیہ کی تقریظ	18	رسالت مآب ﷺ	
	اردو تقریظ	18	گیارہواں اقتباس۔ بارگاہ رسالت	
28	عربی تقریظ	19	مآب ﷺ میں بے ادبی کی سزا	
	اقتباسات	20	بارہواں اقتباس۔ بارگاہ رسالت	
29	پہلا اقتباس۔ انکار ختم نبوت کے		مآب ﷺ کے آداب کی تعلیم	
	حوالے سے مولوی محمد قاسم نانوتوی کی		تیرہواں اقتباس۔ حضور ﷺ کے	
30	فلسفیانہ بحث کی مذمت	20	ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑنے کی مذمت	
	دوسرا اقتباس۔ انکار ختم نبوت پر مولوی		چودھواں اقتباس۔ بارگاہ رسالت	
30	محمد قاسم نانوتوی کا تعاقب	20	مآب ﷺ کے آداب	
	تیسرا اقتباس۔ اہمیت عقیدہ ختم نبوت	21	پندرہواں اقتباس۔ محبت رسول	
32	چوتھا اقتباس۔ مذمت انکار قیام		ﷺ کے تقاضے	
	برموقع درود و سلام	22	سولہواں اقتباس۔ بارگاہ رسالت	
	پانچواں اقتباس۔		مآب ﷺ کے آداب کو شرک	
33	مذمت انکار تعظیم و احترام		قرار دینے کی مذمت	
	رسول اللہ ﷺ	23	سترہواں اقتباس۔ حضور ﷺ کے	
	چھٹا اقتباس۔		نام پر انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کی	
34	اہمیت درود و سلام	24	فضیلت	
	ساتواں اقتباس۔ عظمت رسالت		اقتباسات کے ذیل میں قابل	
35	مآب ﷺ کے خلاف تقریر کرنے		غور نکات	
	والے کی مذمت	24	۱۔ معیار حقانیت	
	آٹھواں اقتباس۔ نماز میں حضور		۲۔ حقانیت سے انحراف	
35	ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر سلام پیش		۳۔ اہل حق پر مظالم	

فہرست

52	حضرت فاضل	36	۴۔ اہل باطل پر ایک مستقل اعتراض
52	مصنف رحمۃ اللہ علیہ	36	۵۔ اللہ تعالیٰ کے حضور فریاد
52	ولادت و نام و نسب	36	کتاب کے بارے میں چند
52	تعلیم و تربیت	36	معروضات
53	جامعہ نظامیہ کی بنیاد	39	آدم برسر مطلب
53	سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت	40	کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے
53	تعلیم سلوک اور بلاد اسلامیہ کا سفر	42	قلم کے ناگزیر تصرفات
54	دائرۃ المعارف کا قیام	42	انوار احمدی کا سبب تالیف
54	شیخ الاسلام کی تصانیف	42	قرآن اور آداب رسول ﷺ
55	وصال شریف	43	بے ادب گروہ کی ابتداء
55	حضرت کے معمولات	45	اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا
57	نعت گوئی بھی زبان و قلم کا جہاد ہے	45	موقف
57	پہلی حدیث۔ منظوم کلام کی تاثیر	45	سیر گلستان عقیدت
58	دوسری حدیث۔ نعت گوئی ایک جہاد	46	فضیلت انبیاء و اولیاء
58	تیسری حدیث۔ نعت خوانی کا صلہ	46	فضیلت درود شریف
59	حضور ﷺ ہی کے وجود سے	46	عظمت نعت
59	سارے عالم کا وجود ہے	46	تحلیق نور مصطفیٰ ﷺ
59	پہلی حدیث۔ حضور ﷺ وجہ	47	ظہور نور مصطفیٰ ﷺ
59	تحلیق کائنات ہیں	47	جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ
60	دوسری حدیث: فضیلت مصطفیٰ ﷺ	48	برموقع جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ قیام
60	تیسری حدیث۔ حضور ﷺ رسول	48	محفل میلاد کے فوائد
61	کائنات ہیں۔	49	بے مثل رسول ﷺ
62	فائدہ	49	علم مصطفیٰ ﷺ
62	چوتھی حدیث۔ حضور ﷺ صاحب	50	عظمت نظر مصطفیٰ ﷺ
62	لولاک ہیں	51	مالک و مختار نبی ﷺ

فہرست

76	بحث بدعت ہے	63	پانچویں حدیث - حضور ﷺ خدا سے جدا نہیں
76	مولوی محمد قاسم نانوتوی کی فلسفیانہ بحث کا نتیجہ	63	ایک شبہ کا ازالہ
76	مولوی محمد قاسم نانوتوی کے انکار ختم نبوت پر تنبیہات	64	حضور ﷺ کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے
76	پہلی تنبیہ	64	پہلی دلیل
77	دوسری تنبیہ	64	دوسری دلیل
77	تیسری تنبیہ	65	فائدہ
77	چوتھی تنبیہ	65	شیریں دلیل
79	پانچویں تنبیہ	65	فائدہ
79	چھٹی تنبیہ	66	چوتھی دلیل
81	دروود سلام کی نورانی بحث	66	پانچویں دلیل
81	فضائل درود سلام	67	فائدہ
82	دروود شریف کے اہتمام کی ضرورت	67	چھٹی دلیل
82	فضائل درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں	68	فائدہ
83	پہلی حدیث - فضائل درود شریف	69	ساتویں دلیل
83	فائدہ	70	آٹھویں دلیل
83	دوسری حدیث - سونے کا قلم، چاندی کی دوات اور نور کا کاغذ	70	عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ
84	فضیلت درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ	71	جلالت شانِ مصطفیٰ ﷺ کے رنگ
85	حضور ﷺ کے دربار میں درود شریف کس طرح پہنچتا ہے؟	74	بارگاہِ الہی میں حضور ﷺ کا مقام
86	پہلا طریقہ - بواسطہ ملائکہ پہنچتا ہے	74	عقیدہ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز بحث
86	دوسرا طریقہ - بواسطہ حضرت جبریل	75	انکار عقیدہ ختم نبوت پر مولوی محمد قاسم نانوتوی کا تعاقب
			مولوی محمد قاسم نانوتوی کی فلسفیانہ

نشانِ منزل



اس عالم رنگ و بو میں ہر عاشق نے اپنے محبوب کی تعریف کی، ہر محبت نے اپنے معشوق کے اوصاف و محاسن بیان کیے، ہر عاشق رسول ﷺ نے اپنی فکر و نظر کے مطابق اوصاف رسول کریم ﷺ بیان کیے اور قرآن کریم بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، کیونکہ بقول شیخ عبدالحق محدث دہلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس (قرآن) کا ہر فقرہ وصفِ مصطفیٰ ﷺ پر مشتمل ہے۔

عشاقِ رسول ﷺ نے اپنے اپنے دور میں تقریر و تحریر کے ذریعہ درود و سلام اور نعت و ذکرِ مصطفیٰ ﷺ سے اپنے تعلق بالنبی ﷺ کا اظہار کیا، جس کے باعث انہیں دائمی زندگی حاصل ہو گئی۔ ان عشاق میں سے ایک عاشقِ رسول، شیخ الاسلام حضرت علامہ محمد انوار اللہ صاحب حیدر آبادی قدس سرہ کی ذات گرامی ہے۔ انہوں نے بھی عشقِ رسول ﷺ میں ڈوب کر اوصافِ رسول ﷺ پر مشتمل کتاب "انوار احمدی" لکھی۔ اس کتاب کا ہر مضمون قرآن، حدیث، آثارِ صحابہ اور اقوال فقہاء کی روح کے عین مطابق ہے۔ اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر لفظ شیخ الاسلام، شیخ الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصدیق و تائید سے مزین ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ سے محبت رسول ﷺ کی خوشبو آتی ہے۔

فہرست

125	تیسری دلیل	113	پیش کرنا
126	چوتھی دلیل	114	تیسری حدیث۔ اختتام اذان پر درود
126	پانچویں دلیل		چوتھی حدیث۔ محفل میں درود کی
127	ایک شبہ اور اس کا ازالہ	114	اہمیت
129	اس دعویٰ کے ثبوت میں تین وجہیں		پانچویں حدیث۔ بوقت ذکر مصطفیٰ
129	پہلی وجہ	115	ﷺ درود نہ پڑھنے کی مذمت
130	دوسری وجہ		چھٹی حدیث۔ کان بجتے وقت درود
130	تیسری وجہ	115	شریف پڑھنا
130	ایک لطیف طنز		ساتویں حدیث۔ درود شریف پڑھنے
131	خلاصہ بحث	115	سے بھولی ہوئی چیز یاد آنا
	ایک اعتراض اور اس کا روح پرور		آٹھویں حدیث۔ جمعہ کے روز
132	جواب	116	درود شریف پڑھنے کی فضیلت
133	قیام تعطیسی کی بحث		چند مقامات کی اور نشاندہی امام سخادی
133	قیام تعطیسی کی پہلی دلیل	116	رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قلم سے
134	قیام تعطیسی کی دوسری دلیل	117	حاصل بحث
134	قیام تعطیسی کی تیسری دلیل		فاضل مصنف کی ایک عبرت آموز
135	قیام تعطیسی کی چوتھی دلیل	117	نصیحت
135	قیام تعطیسی کی پانچویں دلیل	118	سلام کے بارے میں بحث
136	قیام تعطیسی کی چھٹی دلیل	118	پہلا نکتہ
137	قیام تعطیسی کی ساتویں دلیل	120	دوسرا نکتہ
138	قیام تعطیسی کی آٹھویں دلیل	121	تیسرا نکتہ
138	قیام تعطیسی کی نویں دلیل	122	سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار
139	قیام تعطیسی کی دسویں دلیل		نماز میں سلام بطور حکایت نہیں بلکہ
	فاضل مصنف کی ایک ایمان افروز	122	بطور انشاء ہے، پر دلائل
139	عبارت	122	پہلی دلیل
		124	دوسری دلیل

فہرست

161	تیسری حدیث	140	قرآن میں منصب رسالت کی
161	بیت اللہ کو بتوں سے پاک کرنا	140	تعظیم کا حکم
163	چوتھی حدیث	141	پہلی آیت
163	بوقت پیشاب احترام بیت اللہ	143	دوسری آیت کریمہ
	بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام اور اکابر	143	تیسری آیت
165	امت کے شیوہائے ادب	145	تشریح
165	عام صحابہ کرام کا شیوہ ادب	145	چوتھی آیت کریمہ
167	جانوروں کا شیوہ ادب	147	تشریح
169	حضرت عمر فاروق <small>رضی اللہ عنہ</small> کا شیوہ ادب	148	پانچویں آیت کریمہ
171	حضرت ابوبکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کا	150	تشریح
	شیوہ ادب	150	چھٹی آیت
172	حضرت علی المرتضیٰ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا شیوہ ادب	152	تشریح
174	حضرت عثمان غنی <small>رضی اللہ عنہ</small> کا شیوہ ادب	154	ایک اعتراض اور اس کا جواب
177	حضرت عمر فاروق <small>رضی اللہ عنہ</small> کا شیوہ	154	ساتویں آیت
	ادب	154	تشریح
178	حضرت ابوبکر صدیق <small>رضی اللہ عنہ</small> کا	157	آٹھویں آیت
	شیوہ ادب	157	تشریح
179	ایک ہی شیوہ ادب متعدد اکابر صحابہ کا	159	تعظیم اور ادب کے سلسلے میں حضور
181	حضرت ابو ہریرہ <small>رضی اللہ عنہ</small> کا شیوہ ادب	159	اکرم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی عملی تعلیمات
182	عام صحابہ کرام کا شیوہ ادب	159	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے احترام و تعظیم پر
	حضرت اسلم بن شریک <small>رضی اللہ عنہ</small> کا	159	احادیث سے دلائل
183	شیوہ ادب	159	پہلی حدیث
	حضرت براء بن عازب <small>رضی اللہ عنہ</small> کا	160	بے وضو مسلام کا جواب نہ دینا
184	شیوہ ادب	160	دوسری حدیث
	حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا شیوہ	160	یہودی زانی کا تورات کے مطابق
186	ادب		فیصلہ کرنا

فہرست

194	بحث	186	حضرت امام مالک <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا شیوہ ادب
	بوقت اذان حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا نام سن کر	189	حضرت امام شافعی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> کا شیوہ ادب
194	انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا		حضرت ابو ایوب سختیانی <small>رضی اللہ عنہ</small> کا
194	حضرت صدیق اکبر <small>رضی اللہ عنہ</small> کا عمل	190	شیوہ ادب
	حضرت صدیق اکبر <small>رضی اللہ عنہ</small> کا دوسرا	191	نام پاک کی تعظیم کا حکم
195	عمل		حضور اکرم <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے نام مبارک کی
195	شفاعت کا حق دار بننا		تعظیم و ادب کے حوالے سے احادیث
198	تاریخ فتنہ و ہابیت	191	مبارکہ
198	فتنہ و ہابیت کی ابتداء اور علامات	191	پہلی حدیث
200	مقام ظہور فتنہ و ہابیت	191	حضور <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے نام پر اولاد کا نام رکھنا
201	ایمان کی قیمت	191	دوسری حدیث
201	بانی فرقہ و ہابیت کا تعارف		آپ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے نام والے بچوں کا
202	بانی فرقہ و ہابیت کے مظالم	191	احترام کرنا
204	ایک انتہائی عبرت ناک واقعہ	192	تیسری حدیث
205	اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ		آپ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے نام والے بچوں کو
	ہندوستان میں وہابی فرقے کی	192	محروم نہ کرنا
205	نشاندہی	192	چوتھی حدیث
206	علماء دیوبند کا اعلان و ہابیت		آپ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے نام والے بچوں کو
206	پہلا اقراری بیان	192	گالیاں بکنے سے اجتناب کرنا
206	دوسرا اقراری بیان	192	پانچویں حدیث
206	تیسرا اقراری بیان		آپ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کے نام والے بچوں کو
207	چوتھا اقراری بیان	192	ملعون نہ بنانا
			تعظیم نام محمد <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کا ایک ایمان
		192	افروز واقعہ
			مسئلہ: نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے کی

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی تقریظ

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو ساری خصوصیات پر حاوی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی سطر سطر اور حرف حرف کی تصدیق فرمائی ہے جو اردو اور عربی زبان میں کتاب کے شروع میں درج ہے۔ حضرت مہاجر مکی رحمہ اللہ نے اختلافی مسائل پر اس کتاب کے جملہ مشتملات کی تصدیق کر کے ان لوگوں کے لیے قبول حق کا کام آسان کر دیا ہے جو انھیں اپنے بزرگوں کا بھی بزرگ مانتے ہیں۔ اس کتاب پر حضرت موصوف کی تقریظ اردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔

اُردو تقریظ:

اردو تقریظ کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

ان دنوں ایک عجیب و غریب کتاب لا جواب مسیٰ بانوار احمدی مصنفہ حضرت علامہ زماں و فرید دوراں، عالم باعمل و فاضل بے بدل، جامع علوم ظاہری و باطنی، عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی و چشتی سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری۔ اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ اول سے آخر تک سنی۔

اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔

(انوار احمدی، ص ی)

اس تقریظ میں تحقیق محققانہ، تائید ربانی، امداد مذہب اہل حق، اور دعوت حق کے گرانقدر الفاظ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک مرشد روشن ضمیر کے الہامی کلمات

چونکہ یہ کتاب قدرے دقیق و ضخیم تھی، اس لیے شدت سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ عوام الناس کی سہولت اور استفادہ کے لیے اس کی تلخیص و تسہیل کی جائے۔ یہ عظیم کام (تلخیص و تسہیل) عالم اسلام کے عظیم سکالر، فاضل، تحریر و تقریر کے بادشاہ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ سابق سیکرٹری ورلڈ اسلامک مشن نے سرانجام دیا۔ علامہ موصوف کے قلم سے تراشا ہوا ہر لفظ عشق رسول ﷺ اور مقام مصطفیٰ ﷺ کا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و فضل اور عمل و عمر میں برکت عطا فرمائے۔ ﴿آمین﴾

ماہر رضویات، مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم کے تعارفی کلمات تحریر فرمانے سے کتاب ہذا کی افادیت مزید اجاگر ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جناب ڈاکٹر صاحب کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔ ﴿آمین﴾

پاکستان میں پہلی بار اس کی اشاعت ”مقام مصطفیٰ ﷺ“ کے نام سے ہمارے حصہ میں آئی۔ اللہ تعالیٰ، ہماری اس سعی جمیلہ کو اپنے رسول اعظم ﷺ کی تصدق سے شرف قبولیت سے نوازے۔ اگر قارئین کی جانب سے حسب سابق معاونت کا سلسلہ جاری رہا تو نعلین مصطفیٰ ﷺ کے تصدق سے ہم ایسی مزید کتب پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے رہیں گے۔ ﴿ان شاء اللہ العزیز﴾

طالب دعا

محمد یسین قصوری نقشبندی

ادارہ علم و ادب، والٹن روڈ، لاہور

جنوری 2001ء

خلقِ عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے اُن کے لیے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُجْزِیْہُمْ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ۝“

ترجمہ: جو لوگ ایذا دیتے اللہ اور اُس کے رسول کو، لعنت کرتا ہے اللہ اُن پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ذلت کا عذاب! ﴿انوار احمدی صفحہ ۵۲﴾

چوتھا اقتباس:

مذمتِ انکارِ قیامِ درود و سلام

صلوٰۃ و سلام کی بحث میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہندو پاک میں قیام و سلام کے منکرین و مخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت مصنف انہیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جامعہ نظامیہ ﴿حیدر آباد دکن﴾، دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ کے بانی تھے اور اکابر دیوبند مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا مولوی اشرف علی تھانوی کے شیخ طریقت حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رَحْمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کے خلیفہ اجل تھے۔ اس کتاب پر حضرت مہاجر مکی نے تقریظ لکھی ہے جس میں وہ مولانا محمد انوار اللہ حیدر آبادی کو ان القاب سے یاد فرماتے ہیں۔

حضرت علامہ زماں، فرید دوراں، عالم باعمل، فاضل بے بدل، جامع علوم ظاہری و باطنی، عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی چشتی الخ ل

اور کتاب انوار احمدی کے مندرجات کے لیے تحریر فرماتے ہیں:

"اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی" ۱

وہ مسائل کیا ہیں جو اس کتاب میں بیان کیے گئے ہیں؟

- ۱۔ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نعت گوئی
 - ۲۔ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم باعثِ ایجاد عالم ہیں
 - ۳۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے
 - ۴۔ عقیدہ ختم نبوت
 - ۵۔ درود و سلام اور فضائل درود
 - ۶۔ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نبی قوت ادراک
 - ۷۔ قیام تعظیمی
 - ۸۔ منصب رسالت کی تعظیم و تکریم
 - ۹۔ دربار رسالت میں ادب و احترام
 - ۱۰۔ وسیلہ
 - ۱۱۔ انگوٹھے چومنا
 - ۱۲۔ تاریخ فتنہ و ہابیت۔ وغیرہ وغیرہ
- حضرت مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رَحْمَہُ اللہُ عَلَیْہِ نے یہ سارے مسائل نظر غائر ملاحظہ فرمائے۔ اور پھر تصدیق کرتے ہوئے یہ تاریخی کلمات تحریر فرمائے۔

نواں اقتباس:

حضورِ اکرم ﷺ کی بے ادبی کی مذمت

قرآن عظیم کی وہ آیت کریمہ جس میں نبی کی آواز پر اپنی آوار بلند کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف ضبط اعمال کی لرزہ خیز سزا سنائی گئی ہے، اُس کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا؟ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشاء صرف غیرتِ الہی تھا کہ اُس کے حبیبِ کریم ﷺ کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

اسی وجہ سے صحابہء کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرتِ الہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ اس عالم فانی سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا کبریائی میں فرق آگیا؟ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفاتِ الہی میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسا صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی

سنت کی حقانیت ثابت ہو اور دن بدن جو تفرقہ بڑھتا جاتا ہے جلد از جلد ختم ہو اہل سنت کا ایک طبقہ امام احمد رضا کا پیرو ہے، دوسرا جو خود کو اہل سنت کہتا ہے، مسلک دیوبند سے متعلق ہے ایک خود کو بریلوی کہتا ہے، دوسرا خود کو، دیوبندی، حالانکہ ایک صدی قبل یہ تقسیم نہ تھی، سب اہل سنت تھے چنانچہ اب بھی تیسرا طبقہ وہ ہے جو خود کو صرف اہل سنت کہتا ہے حضرت علامہ ارشد القادری نے عقائد و افکار کے اصل چہرے سے نقاب اٹھایا ہے اور یہ دکھایا ہے کہ جو خود کو بریلوی، نہیں کہتا وہ بھی حقیقت میں انھیں عقائد و افکار کا پیرو ہے جو امام احمد رضا اور دوسرے بہت سے اکابر اہل سنت نے پیش کیے ہیں اس لیے کیوں نہ ہم مل بیٹھ کر ٹھنڈے دل سے حقائق کا جائزہ لیں اپنے عقائد و افکار کی اصلاح کر کے ایک کُلی میں ضم ہو جائیں اور ان سے الگ ہو جائیں جن کا سلسلہ فکر ابلیس لعین اور ذوالخویصرہ جیسے گستاخوں سے ملتا ہے فاضل مصنف مولانا محمد انوار اللہ علیہ الرحمہ نے انوار احمدی کے آخر میں گستاخوں کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے، اس کو غور سے پڑھنا چاہیے پھر غور و فکر کرنا چاہیے، ہم کون ہیں ہم کہاں جا رہے ہیں ہم کو کس طرف جانا چاہیے؟ ہم کو کیا ہونا چاہیے؟ مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف علامہ محمد انوار اللہ حیدر آبادی اور فاضل مرتب علامہ ارشد القادری کی ان مساعی جلیلہ کو مقبول و مشکور فرمائے اور ملت اسلامیہ میں انقلاب فکر و خیال کی راہ ہموار فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ واصحابہ وسلم۔

احقر: محمد مسعود

۲۔ کے، سی، پی، ای، سی۔ ایچ
سوسائٹی کراچی (سندھ، پاکستان)

۷ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

۲۲۔ اپریل ۱۹۹۱ء

تیرھواں اقتباس:

حضور ﷺ کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑنے کی مذمت

کنز العمال کے حوالہ سے حضرت فاضل مصنف نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دیہاتی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ خلیفہ رسول اللہ نہیں؟ جواب ارشاد فرمایا کہ میں خلیفہ نہیں بلکہ خالفہ ہوں۔ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہ ادب انہوں نے اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں؟

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے؟ اگر اپنے آپ کو حضور سے ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے تو حضور کی وہ خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو بھی نصیب نہیں ہوئیں ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گی؟ اور اگر اپنے برابر کر کے حضور کی شان کا تنزل اور گراما مقصود ہے تو ان لوگوں پر اِنَّ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ ”ہم لُنا کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔“ (انوار احمدی، ص ۲۳۴)

چودھواں اقتباس:

صحابی اور بارگاہ رسالت کے آداب

حضرت امام طبرانی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور

اجلاس سے فراغت کے بعد کئی دن حیدر آباد میں قیام کرنے کا موقع ملا۔ انہی ایام میں جنوبی ہند کی مشہور درس گاہ ”جامعہ نظامیہ“ کے اساتذہ کی دعوت پر اُس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ کی پُر شکوہ عمارتیں اُس کا حسن انتظام دیکھ کر بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ ایک بلند پایہ تعلیمی مرکز کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیے وہ ساری خوبیاں دامن کو کھینچتی تھیں کہ ہمیں دیکھو۔ جامعہ نظامیہ اپنے عظیم المرتبت بانی شیخ لاسلام مولانا حافظ شاہ انوار اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی نسبت سے ایک باوقار دارالعلوم اور ایک عظیم مرکز علم و فن کی حیثیت سے سارے اقطار ہند میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ جامعہ میں حاضری کے موقع پر وہاں کے اساتذہ نے ازراہ علمی قدر دانی حضرت شیخ الاسلام کی چند گرانقدر تصنیفات بھی مجھے عنایت فرمائیں۔ جن میں مقاصد الاسلام اور انوار احمدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انوار احمدی کا مطالعہ کر کے میں حضرت فاضل مصنف کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، ذہنی استحضار، قوت تحقیق، ذہانت و نکتہ رسی، اور بالخصوص ان کے جذبہ حب رسول ﷺ اور حمایت مذہب اہل سنت کی قابل قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

کتاب کی خصوصیات

یہ گراں قدر کتاب فضائل رسول ﷺ اور اختلافی مسائل پر اس درجہ اطمینان بخش معلومات فراہم کرتی ہے کہ اسے ایک بار پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی بات بھی بغیر دلیل کے نہیں کہی گئی ہے۔ خاص طور پر آیات و احادیث اور بیان کردہ واقعات کے ذیل میں مصنف نے تبصرہ کے طور پر جو نتائج سپرد قلم فرمائے ہیں وہ بالکل نشر کی طرح دلوں میں چبھ جاتے ہیں اور ان میں اتنی معقولیت ہوتی ہے کہ دل کے انکار کے باوجود دماغ کو ایمان لانا پڑتا ہے۔

حضرت شاہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی تقریظ

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو ساری خصوصیات پر حاوی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ نے اس کتاب کی سطر سطر اور حرف حرف کی تصدیق فرمائی ہے جو اردو اور عربی زبان میں کتاب کے شروع میں درج ہے۔ حضرت مہاجر مکی رحمہ اللہ نے اختلافی مسائل پر اس کتاب کے جملہ مشتملات کی تصدیق کر کے ان لوگوں کے لیے قبول حق کا کام آسان کر دیا ہے جو انھیں اپنے بزرگوں کا بھی بزرگ مانتے ہیں۔ اس کتاب پر حضرت موصوف کی تقریظ اردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔

اُردو تقریظ:

اردو تقریظ کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

ان دنوں ایک عجیب و غریب کتاب لاجواب مسیٰ بانوار احمدی مصنفہ حضرت علامہ زماں و فرید دوراں، عالم باعمل و فاضل بے بدل، جامع علوم ظاہری و باطنی، عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی و چشتی سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری۔ اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ اول سے آخر تک سنی۔

اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔

(انوار احمدی، صی)

اس تقریظ میں تحقیق محققانہ، تائید ربانی، امداد مذہب اہل حق، اور دعوت حق کے گرانقدر الفاظ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک مرشد روشن ضمیر کے الہامی کلمات

ہیں۔

عربی تقریظ:

عربی زبان میں رقم کردہ تقریظ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بے حد جامع اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ہے۔ مصنف کی زبان سے کتاب کی سماعت کے بعد اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

”وَجَدْتُهُ مُوَافِقًا لِلسُّنَّةِ
السُّنَنِیَّةِ فَمَسْمُوتُهُ بِالْأَنْوَارِ
أَلَا حَمْدِيَّةٌ وَإِنَّمَا هَذَا
مَذْهَبِي وَعَلَيْهِ مَدَارُ
مَشْرَبِي يَقْبَلُهُ رَبُّ
الْمَقْبُولِينَ وَجَعَلَهُ
ذَخِيرَةً لِّيَوْمِ الدِّينِ“

اس تقریظ میں بھی موافق سنت میراندہ، میرے مشرب کا مدار، اور ذخیرہ آخرت کے الفاظ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

اب اپنے قارئین کرام کے سامنے کتاب سے چند ایسے اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی حقانیت پر شیخ المشائخ حضرت مہاجر کی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ نے اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے اور جنہیں اپنا مذہب، اپنے مشرب کا مدار، اور امداد مذہب اہل حق قرار دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام ان اقتباسات کو کلمات تقریظ کی روشنی میں پڑھیں گے اور اپنی آنکھوں سے عصیت کی وہ ساری عینکیں اتار دیں گے جنہوں نے تلاش حق کے مسافروں کو ہمیشہ گمراہ کیا ہے۔



تیسری وجہ یہ ہے کہ ۱۳۰۵ھ میں جب فاضل مصنف نے تیسری بار حجاز مقدس کا سفر کیا تو تین سال تک انھیں مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقع پر اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی، جیسا کہ حضرت کی اس سوانح سے پتہ چلتا ہے جو کتاب کے اخیر میں منسلک ہے۔

اس بنیاد پر آج اس کتاب کی تصنیف کو سو برس سے زائد ہو گئے۔ سو برس پہلے کی اردو زبان چونکہ بالیدگی اور بلوغ کے مراحل سے نہیں گزر سکی تھی اس لئے اس وقت کی تحریر افہام و تفہیم کے اعتبار سے جس اغلاق و تنگ دامن کی حامل ہو سکتی ہے وہ ساری باتیں اس کتاب کے اندر موجود ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب زبان کی پیچیدگی کی وجہ سے عبارت کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تصنیف میں حقائق و معارف کے ہزار جواہرات بکھرے ہوئے ہوں کم استعداد اور سطحی ذہن رکھنے والوں کو اس کا کیا پتہ؟



چوتھی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے بھی کتاب میں ابواب و فصول اور الگ الگ مباحث کی پورے طور پر نشاندہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پوری کتاب میں ذیلی عنوانات کے بغیر بحث در بحث کا طویل سلسلہ اخیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر مزید براں مصنف کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر تشنہ نہیں چھوڑتے۔ اور دلیل پیش کرنے میں بھی التزام یہ ہے کہ کتابوں سے اصل عربی عبارتیں صفحے کے صفحے اپنے مدعا کے اثبات میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بحث مکمل نہیں ہونے پاتی کہ کسی دعوے کے ذیل میں دوسری بحث شروع ہو جاتی ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی علمی سطح اتنی اونچی ہو گئی ہے کہ عوام کے فہم کی رسائی

ملاحظہ فرمائیے۔ تحذیر الناس کے مصنف کا تعاقب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے؟

یہ تو بتائیے! کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کوئی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دوم ﴿دو دھاری تلوار﴾ ان سے لے کر میدان میں آکھڑے ہوئے۔ (انوار احمدی ص ۵۰)

تیسرا اقتباس:

اہمیت عقیدہ ختم نبوت

غیرتِ محبت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا، عقیدہ ختم نبوت پر ڈالا ہوا گرد و غبار جب تک بالکل صاف نہ ہو جائے دل کو اطمینان کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ بحث کا طویل سلسلہ ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حالت کیسی متغیر ہو گئی کہ چہرہ مبارک سے آثارِ غضب پیدا تھے۔ اور باوجود

خلقِ عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے اُن کے لیے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُجْزِیْہُمْ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمْ عَذَابًا مُّہِیْنًا ۝“

ترجمہ: جو لوگ ایذا دیتے اللہ اور اُس کے رسول کو، لعنت کرتا ہے اللہ اُن پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ذلت کا عذاب! ﴿انوار احمدی صفحہ ۵۲﴾

چوتھا اقتباس:

نذمتِ انکارِ قیامِ درود و سلام

صلوٰۃ و سلام کی بحث میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہندو پاک میں قیام و سلام کے منکرین و مخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت مصنف انہیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یادہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا صلوة بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو اخضرّت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہیے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے اور یہ بالکل منافیِ وعدائے عظمت کبریائی ہے ﴿انوار احمدی ص ۱۰۱﴾

پانچواں اقتباس:

مذمت انکار تعظیم واحترام رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

جو لوگ منصب رسالت کی ناقدری کرتے ہوئے تعظیم واحترام کی بجا آوری سے گریز اور انکار کرتے ہیں اُن کے خلاف اتمام حجت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں غیرت حق کا تیور خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے۔

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔

اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اُس کے نزدیک حق

رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولہ سے

۲۔ فضیلت درود:

اب درود شریف کے عنوان پر فکر رسا کا ایک جلوہ دیکھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

جو کہ پڑھتا ہو درود اس کو شفاعت ہو نصیب
راضی ہو گا حق گواہی دیں گے جب اس کے حبیب
عرش کا سایہ ملے گا ہو گا حضرت کے قریب
ہو گا روز عید اس کو حشر کا روز مہیب
اور اس کثرت سے ہو گا نور اس دن اس کے ساتھ
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

۳۔ عظمت نعت:

نعت شریف کی فضیلت پر اپنے جذبہ دل کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں:

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام
ہو جو محروم اس سے، ہے ایمان اُس کا ناتمام اور جو دشمن ہو تو اُس کے کفر میں پھر کیا کلام
کی بذات خود خدا نے نعت جب محبوب کی
پھر ثنا دل سے کریں کیونکہ نہ سب محبوب کی

۴۔ تخلیق نور مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم:

تخلیق نور مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اچھوتا پیرایہ بیان اختیار کیا

ہے وہ دلوں کو چھو لیتا ہے:

وجہ امت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت ﷺ بلکہ
 خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اَعَاذَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ
 ﴿انوار احمدی، ص ۳۹﴾

آٹھواں اقتباس:

نماز میں حضور اکرم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر
 نماز میں سلام پیش کرنے کو شرک قرار دینے پر مذمت

سلام کی بحث میں حضرت مصنف کی یہ عبارت بھی ان لوگوں کی پشت پر ایک تازیانہ
 ہے جو نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانے کو شرک کہتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت ﷺ کی طرف
 متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادت
 ہوگا کیونکہ شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس
 کے خلاف ہیں وہ سب بہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون
 و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے
 میں کیا تھا۔

اب یہ بات بھی محسوس کرنی چاہیے کہ جب سلام کا مرتبہ ایسا ہوا کہ عبادت
 محضہ یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لیے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات
 میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیے؟

﴿انوار احمدی، ص ۱۶۵﴾

نواں اقتباس:

حضورِ اکرم ﷺ کی بے ادبی کی مذمت

قرآن عظیم کی وہ آیت کریمہ جس میں نبی کی آواز پر اپنی آوار بلند کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف ضبط اعمال کی لرزہ خیز سزا سنائی گئی ہے، اُس کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا؟ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشاء صرف غیرت الہی تھا کہ اُس کے حبیب کریم ﷺ کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

اسی وجہ سے صحابہ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرت الہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ اس عالم فانی سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا کبریائی میں فرق آ گیا؟ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفاتِ الہی میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مودب رہے جیسا صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی

ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کا ہمیشہ حامی ہے۔ ﴿انوار احمدی، ص ۲۰۶﴾

دسواں اقتباس:

آداب بارگاہ رسالت مآب ﷺ

یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے راعنا کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے راعنا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں راعنا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی راعنا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اب تم راعنا کے بجائے اُنْظُرْنَا کہا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں یعنی اُس لفظ کا استعمال ہی ترک کر دو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

ہر چند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایہ بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا

تمام سلسلوں میں تجدید بیعت کی۔ اسی موقعہ پر بغیر کسی طلب کے حضرت حاجی صاحب نے شیخ الاسلام کو خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۳۰۱ھ میں حجاز کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مایہ ناز تصنیف انوار احمدی اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔ اسی دوران قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر، حدیث، اور فقہ کی نادر الوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ جن میں علی متقی کی کنز العمال، جامع مسانید امام اعظم، جوہر النقی علی سنن بیہقی اور احادیث قدسیہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دائرة المعارف کا قیام:

سوانح نگار کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے دوران قیام میں تین بار خواب میں وہ حضور اکرم سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ حیدر آباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دو۔ جب اپنا خواب حضرت موصوف نے حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدر آباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے ۱۳۱۸ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی ایک کتب خانہ آصفیہ اور دوسرا مجلس دائرة المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ایسی گرانقدر خدمت انجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعت علم و فن کی حیثیت سے مجلس دائرة المعارف کو علمی دنیا میں ایک نہایت بلند مقام حاصل ہو گیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے قلمی نسخے زیور طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

شیخ الاسلام کی تصانیف:

ایک شہرہ آفاق استاد اور ایک تبحر عالم دین ہونے کے علاوہ حضرت موصوف ایک

خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوانہ دیکھ سکی۔
میدان خالی پا کر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرات کے ساتھ کہہ دیتا
ہے۔ پھر اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابل
سزاتھیں، انہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے
ایمانی کا مضمون کیا ہوگا؟ ﴿انوار احمدی، ص ۲۱۳﴾

بارہواں اقتباس:

بارگاہ رسالت مآب ﷺ کے آداب کی تعلیم

ایک آیت کریمہ کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور ﷺ کو
گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت
ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام
معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ مگر یقین ہے کہ جب ان آیات
میں غور و تأمل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن
شریف علاوہ احکام کے آنحضرت ﷺ کی عظمت اور آداب
سے بھی بندوں کو روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت ﷺ کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو
اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسر شان کی ہیں کس قدر غیرت الہی کو
جوش میں لاتی ہوں گی؟ ﴿انوار احمدی ص ۲۱۶﴾

تیرھواں اقتباس:

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑنے کی مذمت

کنز العمال کے حوالہ سے حضرت فاضل مصنف نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے عہد خلافت میں ایک دیہاتی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ خلیفہ رسول اللہ نہیں؟ جواب ارشاد فرمایا کہ میں خلیفہ نہیں بلکہ خالفہ ہوں۔ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہ ادب انہوں نے اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

جب حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں؟

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے؟ اگر اپنے آپ کو حضور سے ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے تو حضور کی وہ خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو بھی نصیب نہیں ہوئیں ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گی؟ اور اگر اپنے برابر کر کے حضور کی شان کا تنزل اور گرا نا مقصود ہے تو ان لوگوں پر اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ "ہم تو انسان کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔ ﴿انوار احمدی، ص ۲۳۴﴾

چودھواں اقتباس:

صحابی اور بارگاہ رسالت کے آداب

حضرت امام طبرانی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور

نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ایک صحابی حضرت اسلم ابن شریک فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف فرما ہوتے تھے۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہوگئی، اسی درمیان حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا، اب میں سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں؟ سخت سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے غسل بھی نہیں کر سکتا تھا اور دوسری طرف طبیعت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا اور انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمائیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا۔ اگر چشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا جس سے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً وہاں اس قسم کے امور کی تعلیم تھی اور نہ صراحتاً ترغیب و تحریص۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق ایمان حقیقی کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کریگا۔

بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے؟ الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگان دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہے۔ اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ خیر القرون کے بعد لوگوں کو ان حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کر دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے حالانکہ اس طرح کے امور کی

﴿فائدہ﴾

مصنف کتاب نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ حضور ہی کے لئے سارا عالم پیدا کیا گیا ہے اس لئے عالم کی ہر چیز حضور کو جانتی ہے۔ بلکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے کفار بھی حضور کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نبی برحق ہیں مگر مانتے نہیں ہیں، جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

”يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ
أَبْنَاءَهُمْ“
کفار کو حضور کے نبی ہونے کا علم بالکل ایسا
ہے جیسے اپنی اولاد کے بارے میں انھیں علم
ہے کہ وہ ان کی اولاد ہیں۔

چوتھی حدیث:

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم صاحبِ لولاک ہیں

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر اور جنت کے در و دیوار پر ہر جگہ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یہ محمد کون ہیں جن کا نام آپ کے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے؟ ارشاد ہوا کہ:

”هَذَا وَلَدُكَ لَوْلَاهُ لَمَّا
خَلَقْتُكَ“
یہ تیرے فرزند ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں
تجھے نہ پیدا کرتا۔

یہ سنتے ہی انہوں نے التجا کی۔

”يَا رَبِّ بِخُرْمَتِهِ هَذَا
الْوَلَدِ اِرْحَمْ هَذَا الْوَلَدِ“
اے میرے پروردگار اس فرزند جلیل کے طفیل
میں اس کے باپ پر رحم فرما۔

ارشاد ہوا اے آدم! اس کے وسیلہ سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے لئے بھی تم دعا

جواز ہی میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلس ہی نہ ہونے پائے بھلا سوچئے تو سہی کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتیں مسلمانوں میں پھیلتی رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟ ﴿انوار احمدی، ص ۲۴۷﴾

سولہواں اقتباس:

بارگاہ رسالت کے ادب و احترام کو شرک قرار دینے کی مذمت
تعلیم و ادب سے متعلق حضرت فاضل مصنف کے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں ایک
جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وہ (صحابہ کرام) ہر قسم کے آداب خود ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بنیاد بے ادبی کی نہیں پڑی تھی۔ اور اگر چند خود سروس نے بنیاد ڈالی بھی تھی تو ان کی بد اعتقادیوں نے انہیں مومنین مخلصین کے دائرہ سے خارج کر دیا تھا۔ اور دوسرے نام کے ساتھ نہیں مشہور کر دیا تھا۔ اس لیے کوئی اُن کی باتوں پر کان نہیں دھرتا تھا۔

اور اس آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ اُن حضرات نے جن کی پیروی ہمارے لیے ضروری ہے، قسم قسم کے آداب کی ہمیں تعلیم دی، اب اگر اُن کی پیروی میں آج کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراض کی بوچھاڑ ہونے لگتی ہے۔ اور صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔ ﴿انوار احمدی، ص ۲۴۶﴾

سزہواں اقتباس:

حضور ﷺ کے نام پر انگوٹھا چوم کر آنکھوں کو لگانے کی فضیلت
حضرت فاضل مصنف کا یہ آخری اقتباس ہوش و گوش کے ساتھ پڑھئے۔ موصوف
تقبیل! بھائیں یعنی حضور کا نام پاک سُن کر انگوٹھا چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا جواز ثابت
کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت
میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا اس کی دینداری میں کچھ نہ کچھ خرابی
ضرور ہوگی۔

سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام
کے مقابلے میں گستاخانہ انداز سے ”اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ“ کہا اور ابدالآباد
کے لئے مردود بارگاہ کبریائی ٹھہرا، اُسی وقت سے آدمیوں کی عداوت
اس کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا اور اس کے لئے مختلف
قسم کی تدابیر اس نے سوچیں مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب
سے بہت نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی
اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں نہایت زبردست اثر رکھتی ہے۔ اسی
لئے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ
مِثْلُنَا کی عام تعلیم اس نے شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار
انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہا کرتے تھے۔

اقتباسات کے ذیل میں قابل غور نکات

۱۔ معیارِ حقانیت:

یہ سارے اقتباسات کتاب سے منتخب کر کے میں نے اسلئے یہاں جمع کئے ہیں تاکہ جو لوگ شیخ المشائخ حضرت امداد اللہ مہاجر کی رَحْمَةُ اللہِ عَلَیْہِ کو اپنے بزرگوں کا مقتدائے اعظم مانتے ہیں وہ ان اقتباسات کی روشنی میں انکے مسلک و مشرب کا اندازہ لگائیں اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کر سکیں کہ سرورِ کونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی محبت و تکریم اور ایمان و عقیدت کا صحیح تقاضا کیا ہے اور ہندو پاک میں کونسا طبقہ ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کون اسے شرک و بدعت قرار دیتا ہے؟

۲۔ حقانیت سے انحراف:

خصوصیات کے ساتھ اس مقام پر محسوس کرنے کی چیز یہ ہے کہ ان اقتباسات میں جنوبی ہند کے ایک مقتدر پیشوا نے منصب رسالت کے حقوق و آداب پر اپنے جن افکار و عقائد کا برملا اظہار کیا ہے اور جن کی حقانیت پر علمائے دیوبند کے مرشد برحق نے اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے وہ شمالی ہند کے اعلیٰ حضرت کی آواز سے بالکل ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

پھر حق و انصاف کا یہ کتنا بڑا خون ہے کہ بریلی کے اعلیٰ حضرت کو تو بدعت و غلو کے الزام سے مطعون کیا جائے اور وہی بات مرشد برحق فرمائیں تو نہ ان پر غلو کا الزام عائد کیا جائے اور نہ انہیں بدعتی ٹھہرایا جائے۔

۳۔ اہل حق پر مظالم:

اس کتاب کے فاضل مصنف نے بھی اپنی کتاب میں جگہ جگہ ان ایذا رسانیوں اور زیادتیوں کا ذکر کیا ہے جو خوش عقیدہ مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ کبھی انہیں مشرک کہا جاتا ہے، کبھی ان پر بدعتی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے، کبھی انہیں اندھی عقیدت میں گمراہی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری گالیاں انہیں صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ وہ بارگاہ رسالت مآب

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم میں اپنے اعتقاد اور کردار و گفتار کے ساتھ منسوب رہنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے قول و عمل سے حب رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا وہ تقاضا پورا کرتے ہیں جو ائمہ دین اور اکابر امت سے انہیں ورثے میں ملا ہے۔

۴۔ اہل باطل پر ایک مستقل اعتراض:

پچھلے اوراق میں کتاب کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں آپ انہیں غور سے پڑھئے۔ ان میں تعظیم و ادب کے جو وظائف و مظاہر ذکر کئے گئے ہیں اور شیخ المشائخ نے اپنی تقریظات میں جنہیں اپنا مذہب اور اپنے مشرب کا مد اقرار دیا ہے، اگر فی الواقع وہ بدعات سیدہ کے قبیل سے ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ جو لوگ شیخ المشائخ کو اپنے بزرگوں کا مرشد برحق سمجھتے ہیں، کیا وہ ان پر بھی بدعتی ہونے کا الزام عائد کر سکتے ہیں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس کی جرات نہیں کریں گے کیونکہ اس کے بعد ہی یہ سوال ان کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلواریں بن جائے گا کہ کتاب و سنت کی رو سے کیا ایک بدعتی مرشد طریقت بنائے جانے کا اہل ہے؟

۵۔ حق تعالیٰ کے حضور فریاد:

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس بات پر یہاں سب کی زبانیں بند ہیں اسی بات پر برصغیر کے اہل سنت کو لائق گردن زدنی ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی مظلومی کی فریاد اسی کی بارگاہ میں کرتے ہیں جو سب پر غاب اور سب کا یاور ہے۔

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ

کتاب کے بارے میں چند معروضات

اقتباسات کے پس منظر میں جس اہم ترین نکتے کی طرف مجھے اس کتاب کے قارئین کی توجہ مبذول کرانی تھی، میں اس فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میں اس کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے فکر انگیز مضامین، اپنے ایمان افروز مواد، اور حقائق کے اظہار میں اپنے جراتمندانہ کردار کے لحاظ سے قطعاً اس لائق مگر کہ ہر مسلمان اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرنا اور عشق و ایمان کی حرارت سے اپنے دل کے احساسات کو گرم رکھنے کے لئے اسے حرز جاں بنانا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور سخت افسوس ہوا کہ ان ساری خوبیوں کے باوجود اس کتاب کو وہ ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی جس کی بجائے پر وہ مستحق تھی۔

اس کی چند وجوہات میری نظر میں یہ ہیں:



سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو عوام تک پہنچانے کے لئے حضرت فاضل مصنف کے معتقدین و تلامذہ کو جواہر تمام کرنا چاہیے تھا انھوں نے کما حقہ نہیں کیا۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ نظامیہ کے منتظمین اور وہاں کے اساتذہ کما ذمہ داری تھی کہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق کتاب کو نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ آراستہ کر کے ویدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر اس کی اشاعت کا اہتمام کرتے رہتا کہ جنوبی ہند کی ایک عبقری شخصیت کے علمی نوادرات سے برصغیر کی دنیا پوری طرح روشناس ہو جاتی۔ پھر بھی ان کی مساعی سے نشر و اشاعت کا جس حد تک بھی کام ہوا وہ بہر حال قابل تحسین ہے۔ لیکن منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جاتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔



دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف چونکہ اپنے عہد کے استاد بے بدل، اور یکتائے روزگار اور ماہر علوم و فنون تھے اس لئے ان کی تحریر میں خالص علمی زبان کا رنگ غالب ہے۔ زبان کے رخ سے کتاب کی سطح اتنی اونچی ہو گئی کہ کم علم عوام کے درمیان وہ اچھی طرح رائج نہیں ہو سکی۔



تیسری وجہ یہ ہے کہ ۱۳۰۵ھ میں جب فاضل مصنف نے تیسری بار حجاز مقدس کا سفر کیا تو تین سال تک انھیں مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقعہ پر اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی، جیسا کہ حضرت کی اس سوانح سے پتہ چلتا ہے جو کتاب کے اخیر میں منسلک ہے۔

اس بنیاد پر آج اس کتاب کی تصنیف کو سو برس سے زائد ہو گئے۔ سو برس پہلے کی اردو زبان چونکہ بالیدگی اور بلوغ کے مراحل سے نہیں گزر سکی تھی اس لئے اس وقت کی تحریر افہام و تفہیم کے اعتبار سے جس اغلاق و تنگ دامن کی حامل ہو سکتی ہے وہ ساری باتیں اس کتاب کے اندر موجود ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب زبان کی پیچیدگی کی وجہ سے عبارت کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تصنیف میں حقائق و معارف کے ہزار جواہرات بکھرے ہوئے ہوں کم استعداد اور سطحی ذہن رکھنے والوں کو اس کا کیا پتہ؟



چوتھی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے بھی کتاب میں ابواب و فصول اور الگ الگ مباحث کی پورے طور پر نشاندہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پوری کتاب میں ذیلی عنوانات کے بغیر بحث در بحث کا طویل سلسلہ اخیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر مزید براں مصنف کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر تشنہ نہیں چھوڑتے۔ اور دلیل پیش کرنے میں بھی التزام یہ ہے کہ کتابوں سے اصل عربی عبارتیں صفحے کے صفحے اپنے مدعا کے اثبات میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بحث مکمل نہیں ہونے پاتی کہ کسی دعوے کے ذیل میں دوسری بحث شروع ہو جاتی ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی علمی سطح اتنی اونچی ہو گئی ہے کہ عوام کے فہم کی رسائی

وہاں تک نہیں ہو سکی۔

آدم برسرِ مطلب:

ان ساری وجوہات کے باوجود کتاب کی علمی اور دینی افادیت اپنی جگہ پر ہے اور سچ پوچھے تو اسی افادیت کی کشش نے میرے اندر اس جذبہ شوق کی تحریک پیدا کی کہ میں اس کتاب کے حقائق و معارف اور اس کے مفہیم و معانی کو آج کی زبان میں منتقل کروں۔ اور اس کے پھیلے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر اتنا مختصر اور سہل کر دوں کہ عامۃ المسلمین بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

اسی طرح جنوبی ہند کے افق سے چمکنے والی روشنی شرق و غرب کے آفاق پر پسیدہ سحر بن کر نمودار ہو۔ اور شمال و جنوب کے علمائے اہل سنت کے درمیان اجنبیت کی وہ دیوار ٹوٹ کر گر جائے جو ایک عرصہ دراز سے حائل ہے۔ اور مسلک حق کی حمایت میں جنوبی ہند کی ایک بے مثال علمی شخصیت کے مجاہدانہ کردار سے ہندوپاک کی ساری سنی دنیا واقف ہو جائے۔

میرے یہ پاکیزہ مقاصد اگر اپنے اندر اہل حق کے لئے کوئی کشش رکھتے ہوں تو مجھے امید ہے کہ حسن التفات کے ساتھ میری ان حقیر کوششوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ خصوصیت کے ساتھ میں جنوبی ہند کے اہل سنن سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہی گھر کے ایک گنج گراں نمایہ گوہر طالب حق کے دامن تک پہنچانے کے لئے اُس والہانہ جذبے سے کام لیں گے جو حق کے علمبرداروں کا شیوہ ہے تاکہ منصب رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے احترام کی بنیاد پر جنوب و شمال کے درمیان آواز کی ہم آہنگی کا ایک نیا دور شروع ہو۔

کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم کے ناگزیر تصرفات

اس کتاب کے قارئین پر میں اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم نے کیا کیا تصرف کیا ہے تاکہ اس کتاب کی جدید تصنیف کا الزام میرے اوپر عائد نہ ہو۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:



جگہ جگہ میں نے کتاب کے مباحث کے نئے نئے عنوانات قائم کر کے کتاب کے مضامین کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ متوسط ذہن کے لوگ بھی کتاب کے مضامین کو محفوظ کر سکیں۔



بہت سے مقامات پر مصنف کے مراد کی وضاحت میں نے اپنے الفاظ میں کی ہے تاکہ شگفتہ اور سلیس زبان کے ذریعہ عبات کا مفہوم اچھی طرح قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ لیکن اکثر مقامات پر فاضل مصنف کے تاثرات خود انہی کے الفاظ میں بعینہ نقل کر دیئے ہیں۔ ان میں بھی کہیں کہیں مفہوم کی وضاحت کے لئے مشکل الفاظ کو آسان لفظوں میں یا آسان پیرایہ بیان میں بدلنا پڑا ہے لیکن ایسی جگہیں بہت کم ہیں۔



حوالوں کے لئے صرف کتابوں، مصنفوں اور راویوں کے نام لکھے گئے ہیں اور آسانی کے لئے عربی کی اصل عبارتوں کے بجائے ان کے سلیس اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے لیکن قرآن کی آیات بلفظ نقل کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے زور بیان کے لئے عربی عبارتوں کے ایک آدھ جملے بھی بلفظ نقل کر دیئے گئے ہیں۔



کہیں کہیں بحث کے کسی حصے پر یا مصنف کی کسی عبارت پر میں نے اپنے الفاظ میں تبصرہ کیا ہے اور تبصرہ میں اُن نکتوں کو دیانتداری کیساتھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو بحث کے سیاق میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ کتاب کی ہر بحث عوام کی ذہنی سطح سے قریب ہو جائے۔



جس مقام پر علمی سطح کی کوئی مشکل بحث تھی وہاں میں نے عبارت کا خلاصہ اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ اہل علم کے علاوہ عام قارئین بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔



کتاب کی تلخیص کرتے ہوئے میں نے صرف اُن بنیادی مباحث کو سامنے رکھا ہے جو اصل مقصود ہونے کی حیثیت سے فاضل مصنف کے پیش نظر ہیں اور آسان پیرایہ بیان میں اُنہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔



فاضل مصنف نے جہاں جہاں بھی منکرین عظمت رسالت ﷺ کے خلاف قلم اٹھایا ہے وہاں ان کے جذبہ ایمان کی ترنگ دیکھنے کے قابل ہے۔ سطر سطر زلف جاناں کی خوشبو سے معطر ہے اور لفظ لفظ عشق و وفا کی غیرت میں بھیگا ہوا ہے۔ اور اسے جذبہ عقیدت ہی کا تصرف کہئے کہ اس طرح کے مقامات پر عبارت اتنی شگفتہ اور قلم اتنا رواں ہو گیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔

ان سارے مقامات پر مصنف کی عبارت جوں کی توں نقل کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ عذر کرنے کا موقع نہ ملے کہ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے جس عبارت کی توثیق فرمائی ہے اس میں رد و بدل کر دیا گیا ہے۔



کتاب کے آخر میں فتنہ و ہایت کی تاریخ حضرت مصنف نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے میں نے اسے سمیٹ کر مختصر کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں اس ایمان سوز فتنہ کی تاریخ اچھی طرح متحضر ہو جائے۔

انوار احمدی کا سبب تالیف

شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبد الحمید صاحب کتاب کے پیش لفظ میں اس کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

تخلیق انسان کے ساتھ ہی اس مقصد تخلیق کی تکمیل کے لئے خالق کائنات کی جانب سے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ سید المرسلین خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم کر دیا گیا۔

قرآن اور آداب رسول ﷺ:

آپ کا مرتبہ بلند و درجہ عالیہ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید میں نہایت تاکید کے ساتھ امت کو آپ کے ادب و احترام اور آپ کی تعظیم و توقیر کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کا حکم محکم دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوا ”لَا تَرْفَعُوا أَصْوَارَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گفتگو کے وقت خبردار اپنی آواز بلند مت کرو۔ بلکہ تنبیہ کی گئی کہ اگر آواز کو بلند کیا جائے گا تو تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔

اور یہ کہ آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوں تو باہر سے آپ کو آواز دینے کے بجائے خود آپ کی تشریف آوری کا انتظار کریں۔ آپ کی بارگاہ میں اپنا کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ جو فیصلہ صادر فرمائیں اس کو بلا کسی تنگی قلب کے قبول کر لیں اور اس کو قبول نہ کرنا ایمان کے منافی ہونے کی

علامت ہوگی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مخلص اور حلیل القدر صحابہ کرام گفتگو اس قدر پست آواز میں کرتے کہ دوبارہ کہلوانے کی نوبت آتی۔ اور جب آپ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے تو اس قدر آداب و احترام اور سکوت و خاموشی کے ساتھ باادب بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے کہ ذرا سی حرکت سے اڑ جائے گا۔

بے ادب گروہ کی ابتداء:

یہ حال تو اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کا تھا مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر پوشیدہ تھا وہ موقعہ بموقعہ کچھ نہ کچھ گستاخی کا اظہار کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ انہی کا ایک شخص مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر اَعْدِلْ یا مُحَمَّد کا نعرہ لگایا یعنی اے محمد انصاف کرو۔

یہ سن کر حضور کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور فرمایا کہ ”اِنْ لَّمْ اَعْدِلْ فَمَنْ يَّعْدِلْ“ یعنی اگر میں عدل و انصاف سے کام نہ لوں تو کون ہے جو انصاف کرے گا؟ فاروق اعظم کو یہ گستاخانہ جملہ اس قدر ناگوار ہوا کہ حضور ﷺ کا پاس ادب نہ ہوتا تو اُسی وقت اُس کی گردن اڑا دیتے۔ جب آپ نے آنحضور ﷺ سے اس کی گردن اڑا دینے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اس قبیل کا ایک گروہ ہوگا جو ظاہری حیثیت سے نہایت عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر تم اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھو گے۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا ”كُلَّمَا طَلَعَ قُطَيْعٌ“ یہ سینگ نکالیں گے تو کاٹ دی جائے گی مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر نمودار ہوگی۔

چنانچہ یہ سلسلہ اُس وقت سے برابر جاری ہے۔ اہل حق ان کے مقابل ہمیشہ کمر بستہ رہے ہیں۔ انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

اس لئے حقائق آگاہ عارف باللہ مولینا محمد انوار اللہ علیہ الرحمۃ نے مدینہ طیبہ کے

دورانِ قیام میں حضور کے اخلاق حسنہ اور آپ کے ادب و احترام سے متعلق صحابہ کرام کے طریقہ عمل کو نظم میں قلم بند فرما کر پھر بحوالہ احادیث ان کی تشریح و توضیح فرمائی۔

جسے حضرت ممدوح کے مرشد، مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رَحِمَہُ اللہُ رَحِمَہُ سُن کر بہت محفوظ و مسرور ہوئے اور اس کا نام انوار احمدی تجویز فرمایا۔

بلاشبہ اس میں انوار رسالت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہیں جس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور میں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ادب و احترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔ محافظ حقیقی عالم اسلام کو ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ ﴿اٰمِیْن وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

اس اقتباس میں حضرت شیخ الجامعہ کے پیش لفظ کا یہ حصہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے:

”موجودہ دور میں آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ادب و احترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی تو کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔“

اگرچہ شیخ الجامعہ نے ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے جو آنحضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ادب و احترام کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میلاد و قیام، صلاۃ و سلام، اور تعظیم و عقیدت کی ساری روایات متوارثہ کے خلاف آج جو طبقہ شہر شہر اور قریہ قریہ میں اہل سنت کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اس کا نام نہ بھی لیا جائے جب بھی ہندو پاک کی ساری اسلامی دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ انوار احمدی کے سبب تالیف کے سلسلے میں حضرت شیخ الجامعہ کے اس بیان کا ہم پر جوش خیر مقدم کرتے ہیں کہ احادیث میں جس گستاخ فرقے کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کے خلاف چودہ سو برس سے اہل حق جو مسلسل جہاد کرتے چلے آ رہے ہیں، انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

اختلافی مسائل میں فاضل مصنف رحمہ اللہ کا موقف

اگرچہ انوار احمدی کا صفحہ صفحہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے ایک شفاف آئینہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف کیا ہے۔ لیکن حضرت موصوف کی وہ طویل نظم جو مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مرتع ہوئی اور جس کی تشریح و توضیح میں انوار احمدی لکھی گئی، وہ اختلافی مسائل میں ان کے مذہبی موقف کی ایک کھلی ہوئی دستاویز ہے۔ جیسا کہ اُس طویل نظم کے وجود میں آنے کا قصہ خود فاضل مصنف نے اس کتاب کی تمہید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

جس زمانے میں آقائے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد مدینہ طیبہ زادہ اللہ شرفا میں منظور فرمائی تھی، وہاں چند روز ایسے گزرے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کے متعلق نہ رہا۔ چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں ہے اس لئے یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف و فضائل و معجزات سرور عالم ﷺ کے کتب احادیث و سیر سے منتخب کر کے منظوم کئے جائیں۔ (ص ج)

سیر گلستانِ عقیدت

اب ذیل میں اُس مسدس نظم کے چند بند ملاحظہ فرمائیے جو گلشن کے مہکتے ہوئے پھولوں کی طرح حسن عقیدت کی خوشبو سے مشام جان کو بھی معطر کرتے ہیں اور مشام ایمان کو بھی۔

۱۔ فضیلت انبیاء و اولیاء:

ذکر مصطفیٰ ﷺ کی رفعتوں پر ایک وجدانی دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر

فرماتے ہیں:

شہر اکفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیاء اور از قسم عبادت ہو جو ذکر انبیاء

ہر ہو ذکر سرور عالم کا کیسا مرتبہ جن کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا

رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولہ سے

۲۔ فضیلت درود:

اب درود شریف کے عنوان پر فکر رسا کا ایک جلوہ دیکھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

جو کہ پڑھتا ہو درود اس کو شفاعت ہو نصیب
راضی ہو گا حق گواہی دیں گے جب اس کے حبیب
عرش کا سایہ ملے گا ہو گا حضرت کے قریب
ہو گا روز عید اس کو حشر کا روز مہیب
اور اس کثرت سے ہو گا نور اس دن اس کے ساتھ
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

۳۔ عظمت نعت:

نعت شریف کی فضیلت پر اپنے جذبہء دل کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ارشاد

فرماتے ہیں:

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام
ہو جو محروم اس سے، ہے ایمان اُس کا ناتمام اور جو دشمن ہو تو اُس کے کفر میں پھر کیا کلام
کی بذات خود خدا نے نعت جب محبوب کی
پھر ثناء دل سے کریں کیونکہ نہ سب محبوب کی

۴۔ تخلیق نور مصطفیٰ ﷺ:

تخلیق نور مصطفیٰ ﷺ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اچھوتا پیرایہ بیان اختیار کیا

ہے وہ دلوں کو چھو لیتا ہے:

یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو
فیض بخش کن فکاں گنجینہ اسرار ہو گنج تاریک عدم جولا نگہ انوار ہو
نور سے اپنے کیا اک نور پیدا بے مثال
اور محمد اس کا رکھا نام حمداً لایزال

۵۔ ظہور نور مصطفیٰ ﷺ:

ظہور نور قدسی کی منظر کشی بہت سے لوگوں نے کی ہے لیکن حضرت ممدوح کا پیرایہ
بیان کس غضب کا ہے کہ آنکھیں فرط اثر سے بھیگ جاتی ہیں اور دل سرتوں کے تلاطم میں ڈوبنے
لگتا ہے فرماتے ہیں:

پس وہ نور پاک رب العالمین پیدا ہوئے
مبدأ کو نین ختم المرسلین پیدا ہوئے
جانِ عالم قبلہ اہل یقین پیدا ہوئے
شکر ایزد رحمۃ للعالمین پیدا ہوئے
دھوم تھی عالم میں خورشید کرم طالع ہوا
ہاں کریں تعظیم اب نور قدم طالع ہوا

۶۔ جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ:

ساری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان ولادت باسعادت کا دن نہایت محبت و احترام اور
ذوق و شوق کے ساتھ مناتے ہیں لیکن ایک طبقہ آتش غیظ میں سلگتا رہتا ہے۔ عید میلاد النبی
ﷺ کے جواز پر حضرت ممدوح نے ایسی اچھوتی دلیل پیش کی ہے کہ اس بند کو پڑھئے اور
سر دھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

سامعین سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا
تھا ذبح اللہ کا فرحت فرا جو واقعہ
وہ معین روز، روزِ عید ٹھہرایا گیا
تہنیت کے سب رسوم اُس روز ہوتے ہیں ادا

روز میلاد نبی جس میں تھا وہ کچھ اہتمام.
ہو نہ کیونکر واجب تعظیم پیش حق مدام

۷۔ بر موقع جشن میلاد مصطفیٰ ﷺ قیام:

میلاد کے ساتھ قیام کا رشتہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پھول کے ساتھ خوشبو کا۔ عرب و عجم کے سارے مومنین، قاضین میلاد و قیام کی معنوی لذتوں سے عشق و عقیدت کا نور اور دل کا سرور حاصل کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ دونوں چیزیں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں۔ حضرت ممدوح نے اپنے اس بند میں میلاد و قیام کے جواز پر نہایت مسکت اور تشفی بخش دلیل پیش کی ہے۔ منکرین بھی تعصب کی عینک اتار کر اگر اس بند کو پڑھیں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی ایمان لے آئیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

مجلس میلاد بھی حاکی ہے وقت خاص کی
جس میں حسب حکم خالق خلق نے تعظیم کی
پھر بھلا تعظیم وقت ذکر میلاد نبی
ہو خلافت مرضیٰ حق یہ نہیں ممکن کبھی

حق تعالیٰ تو کرائے سجدہ با صد عز و شال
اور کھڑا ہونا نہ ہو جائز یہ کیسا ہے گلام

۸۔ محفل میلاد کے فوائد:

ولادت پاک کی خوشی میں ابولہب جیسے کافر لعین کو اپنی لونڈی آزاد کرنے پر دوزخ میں
اپنی پیاس بجھانے کی جو آسانی میسر آئی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح جشن میلاد کی
حمایت میں ایک اور دلیل پیش کرتے ہیں:

یہ اثر اللہ اکبر مجلس میلاد کا
کفر و دوزخ میں ہو جس کی آبیاری بر ملا
پھر جو ایمان بھی ہو ساتھ اس جشن کے سو چو ذرا
مبغضوں کی طرح کیا محروم وہ رہ جائے گا

یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں
یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

۹۔ بے مثل رسول ﷺ :

اُس گستاخ فرقہ کے پیدا کردہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت مصطفیٰ ﷺ کا بھی ہے وہ حضور کو بالکل اپنی طرح بشر مانتا ہے اور اس رشتے سے وہ حضور کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہے۔ حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے۔ فرمان الہی کے بموجب حضور ﷺ نے کفار مکہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن جب مومنین صحابہ سے اس مسئلے میں خطاب کا موقع آیا تو ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی طرح بشر کہنے کی جسارت کفار ہی کر سکتے ہیں مومنین کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ حضور کو اپنی طرح بشر کہیں۔ قدرت و اختیار کے باوجود طائف میں کفار کے ظلم و جبر پر حضور کے صبر و ضبط کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح ارشاد فرماتے ہیں۔

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدے اس قدر تب کیا دعویٰ کہ ہوں میں بھی تمہیں سا اک بشر
ورنہ جو موجود اک عالم کا ہوئے سر بسر اہل دانش کس طرح رکھتے وہ دعویٰ معتبر

کس مصیبت سے چھپایا راز کو اغیار سے

پھر بھی نہ تھ جھٹلکم فرما دیا اختیار سے

۱۰۔ علم مصطفیٰ ﷺ :

حضور ﷺ کے علم غیب کے مسئلے میں بھی اُس گستاخ فرقے نے جن شقاوتوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا بدترین نمونہ ہے۔ حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں علم غیب رسول ﷺ کے مسئلے کو جس دل نشین پیرائے میں واضح کیا ہے وہ ان کے بحر علمی اور قوت استدلال کی بہترین مثال ہے۔ اس مسئلے میں صحابہ کرام کا مفیدہ

بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

جتنے تھے اصحاب سب یہ جانتے تھے بالیقین کہ ہیں واقف موت سے ہر اک بشر کے شاو دیں
بلکہ تاخیر اجل چاہیں تو کچھ دقت نہیں جس کی جو مرنے کی جاٹھراتے وہ مرتا وہیں
اہلِ خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں
گویا تھا ہر شخص کا نقش مقدر ہاتھ میں

۱۱۔ عظمتِ نظرِ مصطفیٰ ﷺ:

اسی عنوان پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور بند ملا حظہ فرمائیں۔ کتنے آسان پیرائے
میں کمالاتِ نبوت سے متعلق ایک بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دلوں میں اتار دیا ہے۔ تحریر
فرماتے ہیں:

تھا نظر سے شاہ دیں کے قدرتِ حق کا ظہور یعنی تھا پیشِ نظریک طور پر نزدیک و دور
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور ایک ساں تھی چشمِ نورانی کو تاریکی و نور

دیکھتے تھے واقعے روزِ قیامت کے عیاں

• جس طرح ہیں دائماً احوالِ امت کے عیاں

اسی مسئلے پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور استدلال ملا حظہ فرمائیں۔ دلیل کی اساس
بالکل وہی ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس شعر میں جلوہ گر ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا

جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

فکر کی ہم آہنگی پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان کا نصب العین دونوں کے یہاں

مشترک ہے۔ اب پوری توجہ کے ساتھ حضرت ممدوح کا یہ بند پڑھئے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھی تجلی طور پر گو نہ دیکھا حق کو پھر بھی بڑھ گئی ایسی نظر

کہ شبِ یلدا میں دس فرسخ پہ پیونٹی ہو اگر دیکھ لیتے، بطور کی رویت کا تھا ایسا اثر

پھر جو خود اللہ کو حضرت نے دیکھا بار بار
کون سی شے ہے جو حضرت پر نہ ہوتی آشکار

۱۲۔ مالک و مختار نبی ﷺ :

حضور کے قدرت و اختیار کے مسئلے میں بھی اس گستاخ فرقے نے مومنین کے جذبہ عقیدت پر خون ریز حملے کئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدینے کے منافقین کا عناد ورثے میں ملا ہوا ہے۔ حضور کی ہر عظمت سے انکار اور ہر شیوہ تعظیم و ادب سے دل میں جھین! دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی بد بخت قوم ہوگی جو کسی کو اپنا پیغمبر بھی مانتی ہو اور اس کی طرف سے سینے میں جلن بھی رکھتی ہو۔ اس کا کلمہ بھی پڑھتی ہو اور اسی کی تنقیص میں دن رات غلطیاں بھی رہتی ہو۔

کتاب و سنت کے اور راق جس رسول کو مین کے اختیارات و کمالات کی بھرپور شہادت دیتے ہوں اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اُسے دل کی کدورت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اختیارات مصطفیٰ ﷺ پر حضرت ممدوح نے صرف ایک بند میں فکری گمراہیوں کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اور دلیل کی قوتوں سے اس عقیدے کو اتنا مسلح کر دیا ہے کہ کسی بھی حملہ آور کو پوری طرح پسا کیا جاسکتا ہے۔ اب پورے نشاط قلب کے ساتھ یہ بند پڑھئے:

دست کی توصیف میں ہیہات قاصر ہے زباں

کیونکہ دست عقل خود پہنچا نہیں اب تک وہاں

کل خزانوں کی انہی کے ہاتھوں میں ہیں سب کنجیاں

اور انہی ہاتھوں سے ہو گا فتح ابواب خباں

ہو تصرف کیوں نہ پھر اُس ہاتھ کا اکوان میں

جس کو خالق نے یذ اللہ کہہ دیا قرآن میں

اس طویل نظم میں کل ۵۸ بند ہیں لیکن جتنے بند یہاں نقل کئے گئے ہیں اُن سے اختلافی

مسائل میں حضرت فاضل مصنف رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ کا مسلک حق مہر نیمروز کی طرح آشکار ہو جاتا ہے۔ اب اخیر میں اختصار کے ساتھ ہم حضرت موصوف کی سوانح حیات اس کتاب کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

سوانح حیات حضرت فاضل مصنف رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ

ولادت و نام و نسب:

حضرت کے سوانح نگار شاہ ابوالخیر کنج نشین کی روایت کے مطابق حضرت فاضل مصنف کی ولادت باسعادت ۴ ربیع الثانی ۱۲۶۲ھ میں ضلع نانڈیز میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آثار حمل ظاہر ہوئے تو خواب میں حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت فاضل مصنف کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ تک پہنچتا ہے اور والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ سے جاملتا ہے۔ ان کے والد بزرگوار ابو محمد شجاع الدین رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِ بڑے تبع سنت اور عالم باعمل بزرگ تھے۔

تعلیم و تربیت:

حضرت شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کے لیے آپ کو حافظ امجد علی نابینا کے سپرد کیا گیا۔ چار سال میں کلام مجید حفظ کر لیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے آپ مولوی فیاض الدین اورنگ آبادی کے حوالے کئے گئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور معقولات کی تکمیل فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی۔ ۱۲۸۳ھ میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین مولانا حاجی امیر الدین کی صاحبزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ ۱۲۸۵ء میں محکمہ مال گزاری میں کچھتر روپے ماہوار خلاصہ نوپس کی حیثیت سے مقرر ہوئے ایک بار سودی کاروبار کی مثل خلاصہ لکھنے کے لئے آپ کے پاس آئی جس کی وجہ سے

اُسی دن آپ نے اس ناجائز ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی۔

جامعہ نظامیہ کی بنیاد:

ترک ملازمت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ علمی تبحر کی شہرت سن کر دور دراز مقامات سے جوق در جوق تشنگان علم اس چشمہ فیض کے کنارے جمع ہونے لگے یہاں تک کہ جامعہ نظامیہ کے نام سے ان کے لئے باضابطہ ایک معیاری درس گاہ کی بنیاد رکھنی پڑی۔ ۱۲۹۲ھ میں اس عظیم درس گاہ کی بنیاد پڑی جس کا ڈنکا عرصہ دراز تک بڑے صغیر کے طول و عرض میں بجاتا رہا۔

سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت:

اپنی علمی شہرت اور بے مثال تدریسی صلاحیت کی وجہ سے ۱۲۹۵ء میں سلاطین دکن کے استاذ کی حیثیت سے آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ خاندان آصفیہ کا سب سے پہلا طالب علم جس نے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اس کا نام آصف سادس میر محبوب علی خاں تھا۔ ۱۳۰۸ھ میں آصف سابع میر عثمان علی خاں بھی آپ کے حلقہ درس میں داخل کئے گئے اور مسلسل بائیس سال تک زیر تعلیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میر عثمان علی خاں کا دین اور دینی شعائر کے ساتھ گہرا لگاؤ آپ ہی کے حسن تربیت کا ثمرہ تھا۔

تعلیم سلوک اور بلا و اسلامیہ کا سفر:

شیخ الاسلام حضرت فاضل مصنف کے والد ماجد کو مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے خلافت تھی اس لئے انھوں نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ بعد فراغ تعلیم ظاہری و باطنی انھوں نے تین بار بلا و اسلامیہ کا سفر کیا۔

پہلی بار ۱۲۹۴ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے اس وقت شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں موجود تھے۔ ان سے حضرت شیخ الاسلام نے

تمام سلسلوں میں تجدید بیعت کی۔ اسی موقعہ پر بغیر کسی طلب کے حضرت حاجی صاحب نے شیخ الاسلام کو خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۳۰۱ھ میں حجاز کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مایہ ناز تصنیف انوار احمدی اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔ اسی دوران قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر، حدیث، اور فقہ کی نادر الوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ جن میں علی متقی کی کنز العمال، جامع مسانید امام اعظم، جوہر النقی علی سنن بیہقی اور احادیث قدسیہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

دائرة المعارف کا قیام:

سوانح نگاری کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے دوران قیام میں تین بار خواب میں وہ حضور اکرم سید عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ حیدر آباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دو۔ جب اپنا خواب حضرت موصوف نے حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدر آباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے ۱۳۱۸ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی ایک کتب خانہ آصفیہ اور دوسرا مجلس دائرة المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ایسی گرانقدر خدمت انجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعت علم و فن کی حیثیت سے مجلس دائرة المعارف کو علمی دنیا میں ایک نہایت بلند مقام حاصل ہو گیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے قلمی نئے زیور طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

شیخ الاسلام کی تصانیف:

ایک شہرہ آفاق استاد اور ایک تبحر عالم دین ہونے کے علاوہ حضرت موصوف ایک

پختہ کار صاحب قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے شعری اور ادبی کمال کا اندازہ اُس طویل نظم کے چند بندوں سے اس کتاب کے قارئین نے کر لیا ہوگا جو پچھلے اور اوراق میں نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت کی گرانقدر تصنیفات میں:

☆۔ مقاصد الاسلام (جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے)

☆۔ انوار احمدی

☆۔ حقیقۃ الفقہ

☆۔ افادۃ الافہام (یہ کتاب بھی گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے)

☆۔ کتاب الفضل

☆۔ الکلام المرفوع

☆۔ انوار اللہ الودود فی مسئلہ وحدت الوجود، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

وصال شریف:

تریبھٹھ سال کی عمر میں حضرت شیخ الاسلام نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ جامعہ نظامیہ کے احاطے میں انہیں سپردِ خاک کیا گیا جو آج تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت کے معمولات:

سوانح نگار نے حضرت کے معمولات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ اور سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے دن کا وقت جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس میں گزرتا جسے وہ حبیبہ اللہ انجام دیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد فتوحات کلیہ کا درس دیتے۔ راوی کے بیان کے مطابق فتوحات کے درس میں اکثر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے ارواح قدسیہ کی تشریف آوری کا

نفع بیان کیا ہے۔

تہجد کی نماز سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کرتے۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے رات کے پچھلے پہر تک آرام کرتے اور پھر نماز فجر کے بعد جامعہ نظامیہ میں تشریف لے جاتے۔ رتدریس و افتاء اور دعوت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے۔ یہی ان کے شب و روز کے معمولات تھے جسے زندگی کے آخری لمحے تک انہوں نے برقرار رکھا۔

اپنے پیش لفظ کی آخری سطریں لکھتے ہوئے میں صمیم قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ اس کتاب مستطاب کی اشاعت سے میرا جو دینی مدعا ہے خدائے قدیر سے پورا فرمائے اور میری اس خدمت کو قبول فرمائے۔ اور حضرت شیخ کی اس گراں مایہ کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر اپنی ہدایت و توفیق کا دروازہ کھولے جو فکری گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مکتبہ جام نورنی دہلی کے منتظمین کا شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ اس قابل فخر کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ اخیر میں اہل علم حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ کتاب کی نئی ترتیب و تہذیب میں رانہیں کہیں میرے قلم کی کوئی فروگزاشت نظر آئے تو اسے اپنے دامن غفو میں جگہ دیں گے۔ اب آپ ورق الٹئے اور اصل کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۖ هُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝
صَلَّى اللّٰهُ عَلَىٰ خَيْرِ خَلْقِهِ وَنُورِ عَرْشِهِ سَيِّدِنَا
مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ وَ عَلٰی آلِهِ وَ صَحْبِهِ اَجْمَعِينَ

بندۂ گنہگار طالب رحمت غفار

ارشاد القادری

۲۷/ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۳۰/ اگست ۱۹۸۹ء

دفتر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی نمبر ۱۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ ۝ وَعَلٰی صَحْبِهِ الْمُرْشِدِينَ ۝ وَ
آلِهِ الْمُهْتَدِينَ ۝ وَجَزِيْهِ اَجْمَعِيْنَ ۝

نعت گوئی بھی زبان و قلم کا ایک جہاد ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں۔

پہلی حدیث:

منظوم کلام کی تاثیر

مشہور صحابی رسول حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک دن حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں یہ سوال پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر و شاعری کی برائی میں یہ آیت نازل فرمائی ہے اَلشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ شعراء وہ ہیں جن کی گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں ان کے سوال کا مدعا یہ تھا کہ اب ایسی صورت میں شعر کہنا کیونکر روا ہوگا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اِنَّ الْمُؤْمِنَ يُجَاهِدُ بِسَيْفِهِ وَ لِسَانِهِ" ایمان والے تلوار سے بھی جہاد کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضے قدرت میں میری جان ہے کہ کفار کے مقابلے میں تمہارا شعر پڑھنا

تیر اندازی کی طرح ہے۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدافعت میں تم جو اشعار کہتے ہو وہ تیر کی طرح کفار کے سینوں کو گھائل کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

دوسری حدیث:

نعت گوئی ایک جہاد

مشہور محدث حضرت ابن عبد البر رحمہ اللہ نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے حضور انور ﷺ سے دریافت کیا کہ نعت گوئی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف سے مدافعت کے لئے تلوار سے بھی کام لیتا ہے اور زبان سے بھی۔ (استیعاب)

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں مصنف کتاب کا یہ تبصرہ حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل آنحضرت ﷺ کے فضائل اور ان مخالفین کے جوابات میں جو تنقیص شان کرتے ہیں، اشعار کا لکھنا لسانی جہاد ہے۔ جو تیر کی طرح کام کرتا ہے۔ ﴿انوار احمدی ص ۳﴾

تیسری حدیث:

نعت خوانی کا صلہ

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ عرب کے مشہور شاعر نابغہ جعدی نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں چند اشعار پڑھے حضور نے خوش ہو کر انہیں یہ دعا دی۔

”لَا يَفْضُضُ اللَّهُ فَاكَ أَيُّ

لَا يُسْقِطُ اللَّهُ أَسْنَانَكَ“ (بیہقی)

ترجمہ: اللہ تمہارے منہ کی مہر نہ توڑے
یعنی تمہارے دانت نہ گریں اور منہ کی رونق
نہ بگڑے۔

اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت نابغہ کی عمر سو برس کی ہوگئی
تھی لیکن ان کے کل کے کل دانت صحیح و سالم تھے اور اوالے کی طرح سفید تھے راویان حدیث نے
یہاں تک اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ:

إِنَّا سَقَطْنَا مِنْ “ثَبَّتْ لَهُ” جب ان کا کوئی دانت گر جاتا تو بڑھاپے میں بھی
اس کی جگہ نیا دانت نکل آتا۔

أُخْرَى

(دارقطنی)

یہ سراسر حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی دعا کی برکت تھی کہ نعت پڑھنے والے کے منہ کی
خوبصورتی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کے وجود سے سارے عالم کا وجود ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے احادیث کے چمنستانوں سے جو گلہائے رنگارنگ جمع
کئے ہیں ان کی خوشبو سے دنیا ہمیشہ معطر رہے گی۔ ذیل میں قارئین کرام حدیثوں کی مہکتی، دلی
قطاریں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث:

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وجہ تخلیق کائنات

حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر ایمان لاؤ اور اپنی اُمت کو بھی حکم دو
کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں۔ کیونکہ محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدم

کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو، جب میں نے پانی پر عرش کو بچھایا تو وہ ہلنے لگا۔ جب میں نے اس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ لکھ دیا تو ساکن ہو گیا۔

اور ابن سبع نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

”مَنْ أَجْلِكَ أَسْطَحُ
الْبَطْحَاءِ وَ أَمْوَجُ الْمَوْجِ وَ
أَرْفَعُ السَّمَاءَ وَ أَجْعَلُ
الثَّوَابَ وَ الْعُقَابَ“

ترجمہ: آپ ہی کی وجہ سے میں نے
زمین کو بچھایا اور لہراتے ہوئے دریا پیدا کئے
اور آسمانوں کو بلند کیا اور عذاب و ثواب کے
ضابطے مقرر کئے۔

﴿زر قانی علی المواب﴾

دوسری حدیث:

فضیلت مصطفیٰ ﷺ

حضرت ابن عساکر نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضور پاک صاحبِ لولاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو۔ اور میں نے دنیا اور دنیا والوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ ان پر میں ظاہر کر دوں کہ میرے نزدیک آپ کا مرتبہ اور آپ کی بزرگی کیا ہے۔ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (المواب اللدنیہ)

ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں ایک ایک لفظ محبت و عقیدت کی خوشبو سے معطر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث سابق میں جو مذکور ہے کہ حضرت ﷺ کی وجہ سے عالم

پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش

خلق کا مقصود یہ ہے کہ حضرت کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو۔ پھر جب خداوند قدوس نے صرف اظہارِ فضیلت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضروری ہے کہ تمام عالم آنحضرت ﷺ کی مدح و نعت میں بدل و جاں مصروف ہو۔ کیونکہ بادشاہ اگر کوئی عمدہ اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو بتلائے اور وہ شخص اس چیز کی تعریف نہ کرے تو غیرت پادشاہی اس امر کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی پاداش میں اسے سخت سزا دی جائے اور ایسا شخص سوائے متہرد اور سرکش کے دوسرا نہ ہوگا۔

اسی وجہ سے حضرت سید عالم ﷺ نے فرمایا ہے کہ سوائے سرکش جن وانس کے زمین و آسمان کی ہر مخلوق مجھے جانتی پہچانتی ہے۔

﴿کتاب الشفاء۔ بیہقی﴾ (انوار احمدی، ص ۱۴)

تیسری حدیث:

حضور ﷺ رسول کائنات

ثعلبہ ابن مالک سے ابو نعیم نے اور جابر ابن عبد اللہ سے احمد، دارمی، بزار اور بیہقی نے اور عبد اللہ ابن جعفر سے مسلم اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ مدینہ کے کسی باغ میں ایک اونٹ تھا جو دماغی خلل میں مبتلا ہو گیا تھا اس کی دہشت سے لوگ اس باغ میں نہیں جاتے تھے ایک دن حضور ﷺ اُس باغ میں تشریف لے گئے۔ جیسے ہی حضور ﷺ نے اس اونٹ کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے اپنا ہونٹ زمین پر رکھ دیا۔ حضور نے اسے مہار لگا دی اور ارشاد فرمایا کہ نافرمان جن وانس کے علاوہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

نظہء انتہا پر پہنچ گئی ہو۔ کسی بندے کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند ذوالجلال اسے سلام کرے۔ اپنے نبی ﷺ کی جلالت شان پر ثناء ہوجانے کی بات ہے کہ ان کے صدقہ میں امت کو کس کس اعزاز سے پروردگار نے نوازا ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ "خدا سلام کا جواب دیتا ہے" سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ حضور انور ﷺ بھی یہ نفس نفس سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اب نبی ﷺ کو سلام کرنے والے کی سعادت و فیروز بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پر نبی پاک ﷺ بھی سلام بھیجتے ہیں اور خداوند ذوالجلال بھی سلام بھیجتا ہے۔ ان حدیثوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو "یا نبی سلام علیک" سے انکار کر کے اپنے آپ کو خدا کے سلام سے بھی محروم رکھتے ہیں اور نبی کے سلام سے بھی "فَا غَیْبُوا یَا اُولٰی الْاَبْصَارِ"۔

تیسرا نکتہ:

امام احمد، طبرانی، بیہقی، اور بغوی نے یحییٰ ابن مرہ ثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نبی پاک ﷺ کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ حضور ﷺ نے قیام فرمایا۔ حضور ﷺ خواب استراحت میں تھے کہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ایک درخت زمین کو پیرتا پھاڑتا جھومتا جھامتا آیا اور حضور کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ پر واپس لوٹ گیا۔

جب حضور ﷺ بیدار ہوئے تو ہم لوگوں نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

سے صاف انکار کر دیں گے یا حالات کا دباؤ پڑا تو گریز کا راستہ اختیار کریں گے۔ سلام تو احمیات میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن بالکل آہستہ پڑھا جاتا ہے اس لئے وہاں دل کی بیماریوں کی شناخت بہت مشکل ہے کہ اس نے سلام پڑھایا نہیں؟ لیکن آواز بلند سلام پڑھتے وقت دلوں کی چوری مشکل ہی سے چھپی گئی۔ کچھ بعید نہیں کہ آواز بلند سلام کی ترویج میں یہی مصلحت ہمارے ائمہ واکابر کے پیش نظر ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْاَصْوَابِ۔
دوسرا نکتہ:

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سید عالم ﷺ ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) میں تشریف لے گئے۔ یکایک حضور کی پیشانی سجدہ ریز ہو گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اسی حالت میں حضور ﷺ اغتال تو نہیں فرما گئے۔ کافی دیر کے بعد جب حضور ﷺ نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل امین ابھی میرے پاس حاضر ہوئے تھے۔ انھوں نے خداوند ذوالجلال کی طرف سے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ:

مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ
صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ
عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ
(رواہ احمد)

فاضل مصنف اس حدیث کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کس قدر حیرت و مسرت کی بات ہے کہ سلام کرنے والے خدا کے حبیب کو سلام کرتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتا ہے ہاں کہ یہ نیاز۔ اس سے محبوب و دُوب کے درمیان اُس غایت قرب کا پتہ چلتا ہے جو بندوں کے فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ محبوب و دُوب کے درمیان ایسا رشتہ وہیں مقصور ہے جہاں اپنائیت

کرتے تو میں تمہاری دعا ضرور قبول کرتا۔

پانچویں حدیث:

حضور اکرم ﷺ خدا سے جدا نہیں

امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، طبرانی نے معجم صغیر میں، حاکم اور ابونعیم نے دلائل میں، ابن جوزی نے کتاب الوفا میں اور ابن عساکر نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ، سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے عرش الہی کی طرف سر اٹھا کر دُعا کی کہ الہی بحق محمد ﷺ مجھے معاف کر دے، ارشاد ہوا کہ محمد کو تم نے کیونکر پہچانا؟ عرض کیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا کہ اس پر لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ لکھا ہوا ہے اس سے میں جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ مقرب اور صاحب مرتبت اور کوئی تیرے دربار میں نہیں ہے ارشاد ہوا اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تجھے نہ پیدا کرتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ ہو کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنت سے نکلتے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت محمد ﷺ کون ہیں؟ جبکہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہے کہ انہوں نے خدا سے خود دریافت کیا کہ محمد کون ہیں؟ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اس وقت تک وہ محمد ﷺ سے واقف نہیں تھے۔ دونوں احادیث کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اصولی طور پر ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہر سوال کا مفہان و افاقیت نہیں ہوتا۔ بعض مصالحتوں کی وجہ سے کبھی جانتے ہوئے بھی آدمی سوال کرتا ہے۔ اور وہ معلومت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قبل محمد ﷺ کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کے اپنے قیاس پر مبنی تھا۔ اس لئے سوال سے حضرت آدم علیہ السلام کا مدعا یہ تھا

کہ خود خداوند قدوس کے ذریعہ انہیں صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس کے دربار میں حضرت محمد ﷺ کا مرتبہ کیا ہے؟

حضور ﷺ کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے

اس موضوع پر حضرت مصنف نے اپنے علم و فضل کے جو گل و بوٹے کھلائے ہیں وہ عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے قلب و روح کی فرحت و سرور کا بہترین سامان ہیں۔ ایمان و عقیدت کی آنکھ میسر آئے تو ذیل میں رفعت ذکر مصطفیٰ ﷺ کے بصیرت افروز دلائل کا مطالعہ کیجئے۔

پہلی دلیل:

قاضی عیاض کی کتاب الشفاء، صحیح ابن حبان، اور مسند ابی یعلیٰ میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن جبریل امین میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا ہے؟ میں نے جواب کیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپ کا ذکر میں نے اس طرح بلند کیا ہے کہ جس وقت میں ذکر کیا جاتا ہوں آپ بھی ذکر کیے جاتے ہیں۔

مصنف کتاب اس حدیث کے ذیل میں یہ ایمان افروز نکتہ سپرد قلم فرماتے ہیں:

ابن عطاء کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا اتمام و اکمال اسی بات پر مقرر کیا گیا ہے کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو، اور یہ کہ آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔ ﴿انوار احمدی، ص ۱۹﴾

دوسری دلیل:

آیت کریمہ لَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ بغور سنو کہ اللہ کے

ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے، کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر دُرّ منثور میں، ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ کے حوالہ سے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کے ذکر سے حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اور ان کے صحابہ کا ذکر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذکر محمد عین ذکر الہی ہے اور ذکر صحابہ عین ذکر محمد ہے کہ محمد کو اللہ نے سنوارا ہے اور صحابہ کو محمد نے آراستہ کیا۔

﴿فائدہ﴾

مصنف کتاب اسی مقام پر ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مجاہد نے بذکر اللہ کی تفسیر میں بِمُحَمَّدٍ وَاَصْحَابِہِ جو کہا ہے ہر چند یہ ظاہر آیت شریفہ کا مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایک محدث جلیل القدر نے تفسیر کی ہے اس لئے اسے حسن ظن کے ساتھ مان لینا چاہیے کہ یہ حضرات تفسیر بالزائے نہیں کرتے۔ یقیناً انہیں سامعی طور پر اس تفسیر کی روایت پہنچی ہوگی۔ ﴿انوار احمدی، ص ۲۰﴾

تیسری دلیل:

جامع صغیر اور اس کی شرح سراج المنیر میں حضرت معاذ ابن جبل رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں کا تذکرہ ایک طرح کی عبادت ہے اور اولیاء اللہ کا ذکر گناہوں کے لیے کفارہ ہے اور موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کا ذکر جنت سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

﴿فائدہ﴾

حضرت مصنف اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

جب انبیاء علیہم السلام اور سائر اولیاء اللہ کا ذکر عبادت اور کفارہ گناہ ٹھہرا تو

سلطان الانبیاء والا ولیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر کس درجہ کی عبادت اور گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یقین ہے کہ اس ذکر پاک میں کچھ خصوصیت ایسی ضرور ہوگی جو دوسرے میں ہرگز نہ ہو سکے۔ ﴿انوار احمدی، ص ۱۸﴾

چوتھی دلیل:

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث ثقہ راویوں سے نقل کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حافظ قرآن کی ایک جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ حضور انور ﷺ کی یاد ان کے ذہن سے اللہ تعالیٰ بھلا دے گا یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب انہیں یاد دلانے لگے تو وہ حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کا ذکر کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

”فَتَحْمَدُ النَّارَ وَ تَنْزَوِي مِنْهُمْ“
ترجمہ: حضور کے ذکر شریف کی برکت سے آگ بجھ جائے گی اور عذاب ہٹ جائے گا۔

مصنف کتاب اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ذکر محمد ﷺ ذکر الہی نہ ہوتا تو ذکر محمد ﷺ سے اللہ کا عذاب ہرگز نہ ملتا۔

پانچویں دلیل:

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حافظ ابو طاهر سلفی اور ابن بکیر کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دو بندے قیامت کے دن اللہ کے حضور میں کھڑے کیے جائیں گے۔ حکم ہوگا انہیں جنت میں داخل کرو۔ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! کس سبب سے ہم جنت کے مستحق ٹھہرائے گئے حالانکہ اپنی زندگی میں ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا

تھا جس کا بدلہ جنت ہو؟ ارشاد ہوگا:

أَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ فَنَتَىٰ الْيَتَامَىٰ
عَلَىٰ نَفْسِي أَنْ لَا
يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ اسْمُهُ
أَحْمَدٌ وَلَا مُحَمَّدٌ

ترجمہ: تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس لئے کہ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہو گا وہ دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

﴿فائدہ﴾

اس مقام پر حضرت مصنف ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے ایمان و عقیدت کی آنکھیں ٹھنڈی کرتے ہیں:

اگر کوئی شبہ کرے کہ بعض ملاحظہ اور بدعقیدہ لوگ بھی نام مبارک کے ساتھ وابستہ ہیں تو کیا دخول جنت کا یہ پروانہ ان کے لئے بھی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے سارے فضائل بلکہ جملہ اعمال حسنہ بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے۔ کیونکہ سب سے مقدم خدا اور رسول پر صحیح ایمان اور ان کی محبت ہے۔ جب یہی معاملہ ٹھیک نہ ہو تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا؟ اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خدائے ذوالجلال کے دربار میں حضور اکرم ﷺ اتنے معظم و محترم ہیں کہ حضرت کے نام کی توہین بھی حق تعالیٰ کو گوارا نہیں۔

﴿انوار احمدی، ص ۲۳﴾

چھٹی دلیل:

محدث کبیر حضرت ابن عسا کر کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت آدم علیہ

السلام نے اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ خلافت کی عمارت کو تقویٰ اور مضبوط رشتہٴ عبودیت کی بنیاد پر استوار کرنا۔ جب اللہ کا ذکر کرنا ہے تو اس کے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کا بھی ذکر کرنا ہے۔ کیونکہ میں نے ان کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا جب میرے قالب خاکی میں پہلی بار روح داخل ہوئی تھی۔

پھر میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں محمد ﷺ کا نام مبارک نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا، وہاں کوئی محل، کوئی بالاخانہ اور کوئی برآمدہ ایسا نظر نہیں آیا جس پر محمد ﷺ کا نام نامی نہ کندہ ہو، میں نے حوروں کے سینوں پر، جنت کے درختوں پر، شجر طوبیٰ اور سدرة المنتہی کے پتوں پر، عرش الہی اور حریم قدس کے پردوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کی پتلیوں میں ہر جگہ محمد ﷺ کا نام پاک ستارے کی طرح جگمگاتا ہوا دیکھا ہے اس لئے ایک لائق و فائق بیٹے کی طرح میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم ایک لمحہ بھی ان کی یاد سے غافل نہ رہنا۔ عالم ملکوت والوں کو میں نے دیکھا ہے کہ انہی کے ذکر سے وہ اپنی توانائی حاصل کرتے ہیں۔

﴿ فائدہ ﴾

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ فکر انگیز تبصرہ توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین اولاد اور خلیفہ تھے، وصیت کی کہ آنحضرت کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ اس وصیت میں بظاہر دو فائدے ہیں۔ ایک خاص نفع ذاتی شیث علیہ السلام کا کہ ذکر کی بدولت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے۔

دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مد نظر تھی۔ کیونکہ جب سب کو یہ بات

معلوم ہو جائے گی کہ انہوں نے اپنے پیارے فرزند ولی عہد کو ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زیرک اور خلف الصدق (لائق بیٹے) ہوں گے، ضرور اس کام کی طرف رغبت کریں گے۔ اس پر اگر کسی ناخلف نے پدر مہربان کی وصیت کو لغو سمجھا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

اب اس موقع پر ہمارے قارئین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیائے اولوالعزم نے ذکر مصطفیٰ ﷺ میں اس قدر اہتمام کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام والتزام چاہیے کیونکہ ہمارا تو دین و ایمان ہی حضرت محمد ﷺ کی محبت و عقیدت ہے۔

﴿انوار احمدی، ص ۲۶﴾

ساتویں دلیل:

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حضرت ابو نعیم کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں وہ حضور پاک ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے سرانپ (جزیرہ ہند) میں اتارے گئے تو انہیں وحشت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غم و اندوہ کے ازالہ کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا۔ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اذان دی جس سے ان کی وحشت دور ہو گئی۔

﴿فائدہ﴾

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف نے جو افادہ فرمایا ہے وہ اہل عشق و ایمان کے لئے حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

آنحضرت ﷺ کے نام میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت و اندوہ کو دفع کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کسی بد اعتقاد،

قَسَى الْقَلْبَ كے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں فرق ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ محل میں صلاحیت نہیں۔ جیسا کہ ساری دنیا کے اطباء معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیت قبول نہ ہو تو دو ایسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو ، کچھ تاثیر نہیں کرتی۔ ﴿انوار احمدی، ص ۳۱﴾

آٹھویں دلیل:

عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ

مواہب لدنیہ میں ابن عدی، ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابو نعیم جیسے اکابر محدثین کے حوالہ سے ایک نہایت عقیدت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک انصاری نو جوان کا انتقال ہوا۔ ان کی ماں نہایت بوڑھی اور نابینا تھیں۔ انتقال کی خبر سن کر ہم لوگ ان کے گھر گئے اور نو جوان کے مردہ جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کی بوڑھی ماں کو جب ہم صبر کی تلقین کرنے لگے تو انھوں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا بیٹا انتقال کر گیا؟ ہم لوگوں نے جواب دیا ہاں! وہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ دعا مانگی۔

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری اور تیرے نبی کی طرف ہجرت اس امید پر کی ہے کہ تو ہر سختی میں میری مدد کرے گا تو میرے جوان بیٹے کا صدمہ میرے اوپر مت ڈال۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اِنِّیْ
هَاجَرْتُ اِلَيْكَ وَ اِلٰی
نَبِیِّكَ رَجَاءً اَنْ تُعِیْنِنِیْ
عَلٰی كُلِّ مُشَقَّةٍ فَلَا
تَحْمِلْنِیْ عَلٰی هٰذِهِ

اَلْمُصِیْبَةِ

اس واقعہ کے راویان چشم دید بیان کرتے ہیں کہ دعا کے یہ الفاظ جیسے ہی تمام ہوئے نو جوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہم سے باتیں کرنے لگا اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ اس وقت تک زندہ رہا کہ اس کی ماں کا انتقال اس کے سامنے ہوا۔

﴿ فائدہ ﴾

اس واقعہ کے ذیل میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی حسن عقیدت کی یہ لڑیاں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

سخن اللہ! کیسا قوی ذریعہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نام پاک کا ان بی بی صاحبہ کے دل میں ممکن تھا کہ بغیر سوچے ایسی نازک حالت میں بھی ان کی زبان پر آ گیا۔ اور کیسا اعتقاد تھا کہ شک کو کچھ موقعہ ہی نہیں ملا۔ یہ عقیدہ اچھی طرح ان کے دل میں راسخ تھا کہ جب سب گھر بار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت ہی کے ہو رہے تو کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو جب اس ذریعہ سے دعا کی جائے گی، تو موت بھی ہو گی تو ٹل جائے گی۔ ﴿انوار احمدی، ص ۳۶﴾

جلالتِ شانِ مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے رنگارنگ جلوے

اس عنوان کے ذیل میں حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمہ کوثر کی لہراتی ہوئی موج بن گئی ہے۔ کہیں کہیں تو جذبہ عقیدت کے تلاطم کی ایسی والہانہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ جی چاہنے لگتا ہے کہ نوک قلم کو آنکھوں سے لگالیں، ہونٹوں سے چومیں اور دل میں اتار لیں۔ مومنین کے قلوب کو سرور میں ڈبو دینے والی ایسی مرصع عبارتیں کہ والہانہ محبت کا نور سطر سطر سے ٹپک رہا ہے اور حقائق و معانی کی قدر و قیمت کا کیا پوچھنا کہ عشق و اخلاص کی خوشبو سے الفاظ کے دامن تک

مہک اٹھے ہیں۔ حضرت مصنف کے احساسات کے آئینے میں ایمان کا نقطہ عروج دیکھنے کے قابل ہے۔

پچھلے اوراق میں بیان کردہ احادیث طبیات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مصنف رقم طراز ہیں:-

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو قدر و منزلت اور جو خصوصیت آنحضرت ﷺ کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ حساب و شمار نہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ منشا اور سبب اس کا کیا ہے؟ اگر آنحضرت ﷺ صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دوسرے رسول کے بعد ادا کرنے فرض منصبی یعنی تبلیغ رسالت کے مستحق تسمین ہوتے لیکن اس کے کیا معنی کہ ہنوز عالم ہستی کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسان غیب سے آپ کی عظمت و نام آوری کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت آدم نے جب عدم سے آنکھ کھولی تو پہلے پہل جس چیز پر نظر پڑی وہ آپ ہی کا نام نامی تھا جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا۔ شجر خلد کا ہر پتہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتہ نہیں۔ ہر فرشتہ آپ کے ذکر میں رطب اللسان ہے اور بزبان حال "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کے ساتھ نغمہ سرا ہے۔ ایک طرف انبیائے الوالعزم نعت گوئی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف آرزو امتی ہونے کی کوئی کر رہا ہے اور کوئی ان کے توکل سے مرادیں مانگ رہا ہے۔

معلوم نہیں قبل وجود کونسی جانفشانی آپ کی حق تعالیٰ کو ایسی پسند آگئی کہ اس قدر عزت افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائے سابقین زیادہ تر مستحق ان مراتب کے تھے۔ معاذ اللہ یہاں عبودیت و عبادت کو کیا دخل؟ یہ تو ایک ایسی فضیلت خاص ہے جو قبل تخلیق عالم ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی۔ وَ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْہٖ مَّنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائکہ اور جن و انس وغیرہ کے برابر عبادت کر کے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہو گا؟ معاذ اللہ! یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خالق عالم جل شانہ، ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو عطا کر چکا۔

ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا، ابد کا حال بھی آئندہ معلوم ہو جائے گا کہ جنت کی کنجیاں بھی حضرت ہی کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور جنت کی سلطنت حضرت ہی کو مسلم ہے۔ پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، اس خدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو انحصار ازل اور ابد کا ہو گیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حمایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طمع تو درکنار، خیال تک نہیں آ سکتا کہ شرافت و فضیلت میں حضرت کے ساتھ برابری ڈھونڈے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین ہونا محال ہے۔ ﴿انوار احمدی، ص ۴۱﴾

عقیدہ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز بحث

انکارِ عقیدہ ختم نبوت پر مولوی محمد قاسم نانوتوی کا تعاقب

عقیدہ خاتم النبیین پر حضرت مصنف کے علمی دلائل، ایمانی شواہد، اور بصیرت افروز تنبیہات کی شاندار بحث پڑھنے سے پہلے جامعہ نظامیہ حیدر آباد کے شیخ محترم مولانا عبدالحمید صاحب کا یہ حاشیہ پڑھئے تاکہ بحث کے بنیادی گوشوں سے آپ پوری طرح باخبر ہو جائیں۔ شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں۔

تخذیر الناس نامی کتاب میں خاتم النبیین کے مسئلے پر (مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند) نے ایک فلسفیانہ بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

”خاتم النبیین ہونا فضیلت کی بات نہیں۔ کسی کا مُقَدَّم زمانے یا مُتَاَخِر زمانے یعنی اگلے اور پچھلے زمانے میں پایا جانا فضیلت سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کی فضیلت پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ کیونکہ خاتم النبیین ہونے میں امکان ذاتی کی نفی نہیں یعنی آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہے۔“

اس شبہ کا ازالہ حضرت مولانا مرحوم مصنف کتاب نے اپنے اس مضمون

میں نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:
 ”خاتم النبیین کا وصف آنحضور ﷺ کا خاصہ ہے جو آپ کی
 ذات گرامی کے ساتھ مختص ہے کسی اور میں پایا نہیں جاسکتا۔ خاتم النبیین کا
 لقب ازل ہی سے آپ کے لئے مقرر ہے اس کا اطلاق آپ کے سوا کسی
 اور پر نہیں ہو سکتا کیونکہ خاتم النبیین کا مفہوم جزئی حقیقی ہے۔ جزئی حقیقی وہ
 ہے جس کا اطلاق ایک سے زائد پر عقلاً ممتنع ہے لہذا ایسی صورت میں کسی
 اور خاتم النبیین کا ذاتی امکان باقی نہ رہا۔“

اسی مضمون کو حضرت نے تحذیر الناس کے جواب میں پھیلا کر تحریر فرمایا ہے
 اور اس میں وضاحت فرمائی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضور
 ﷺ کو اپنے کلام قدیم میں ”خاتم النبیین“ فرمایا ہے تو حضور
 ازل ہی سے اس صفت خاص کے ساتھ متصف ہیں۔ ایسا کوئی زمانہ نہیں
 جو باری تعالیٰ کے علم اور کلام پر مقدم ہو۔ اور اس میں کوئی اور شخص اس
 وصف سے متصف ہو سکے۔ پس خاتم النبیین کی صفت مختصہ آنحضرت
 ﷺ کی ذات گرامی میں منحصر ہے کسی دوسرے کا اس صفت
 کے ساتھ اتصاف محال ہے۔

مولوی محمد قاسم نانوتوی کی فلسفیانہ بحث بدعت ہے:

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ کُلُّ بَدْعَةٍ
 ضَلَالَةٌ ”پڑھ کر ہر نئی بات کو خواہ حسنہ ہو یا سیدہ مستوجب دوزخ قرار دیا کرتے ہیں وہ اس
 سوال کا جواب دیں کہ کیا خاتم النبیین پر فلسفی بحث بدعت نہیں ہے۔ جو نہ قرآن میں ہے اور نہ اس
 کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہے، نہ قرون ثلاثہ میں، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے خاتم
 النبیین پر ایسی کوئی بحث کی ہے؟

مولوی محمد قاسم نانوتوی کی فلسفیانہ بحث کا نتیجہ:

مزید براں اس بدعت قبیحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانی نے اس فلسفیانہ استدلال سے اپنی بوت پر دلیل پیش کی اور شہادت میں مصنف تحذیر الناس کا نام پیش کیا۔ اب یہ مقدمہ مدعی اور گواہ کے ساتھ اسی بارگاہ میں پیش ہوگا جس نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ بلند کرو گے تو تمہارے سارے اعمال جط کر دیئے جائیں گے۔

(محمد عبد الحمید شیخ الجامعہ نظامیہ، انوار احمدی، ص ۴۲)

مولوی محمد قاسم نانوتوی کے انکار ختم نبوت پر تنبیہات:

اس حاشیہ کے بعد اب حضرت مصنف کی وہ زلزلہ فگن تنبیہات ملاحظہ فرمائیں جو لفظ خاتم النبیین کے سلسلے میں ”تحذیر الناس“ کے مصنف کے خلاف انہوں نے صادر فرمائی ہیں:

پہلی تنبیہ:

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دوسرے کا خاتم النبیین ہونا محال و ممتنع ہے مگر یہ امتناع لغیرہ ہوگا نہ بالذات! جس سے امکان ذاتی کی نفی نہیں ہو سکتی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ آنحضرت ﷺ کا ہے جو دوسرے پر صادق نہیں آ سکتا۔ اور موضوع لہ، اس لقب کا ذات آنحضرت ﷺ ہے کہ عند الاطلاق کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہو سکتا پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے۔

(انوار احمدی، صفحہ ۴۲)

دوسری تنبیہ:

پھر جب عقل نے بہ تبعیت نقل خاتم النبیین کی صفت کے ساتھ ایک ذات کو متصف مان لیا تو اس کے نزدیک محال ہو گیا کہ کوئی دوسری ذات اس

صفت کے ساتھ متصف ہو۔ اور بحسب منطوق لازم الوثوق مَا
يُبْدِلُ الْقَوْلُ لَدَىٰ اَبَدًا باتک کے لئے یہ لقب مختص
آنحضرت ﷺ ہی کے لئے ٹھہرا تو جزیت اس مفہوم کی ابد
الآ باتک کے لئے ہو گئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو
بلا شک قدیم ہے۔ (انوار احمدی، صفحہ ۴۳)

تیسری تنبیہ:

اب دیکھا جائے کہ مصداق اس صفت کا کب سے معین ہوا۔ سو ہمارا
دعویٰ ہے کہ ابتدائے عالم امکان سے جس قسم کا بھی وجود فرض کیا
جائے ہر وقت آنحضرت ﷺ اس صفت مختصہ کیساتھ
متصف ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت
ﷺ کو خاتم النبیین فرما چکا۔ اب کون سا ایسا زمانہ نکل
سکے گا۔ جو اللہ کے وصف علم و کلام پر مقدم ہو؟

(انوار احمدی، صفحہ ۴۷)

چوتھی تنبیہ:

غیرت عشق محمدی بڑی چیز ہے۔ جب اسے جلال آتا ہے تو ایک زلزلہ کی سی کیفیت
پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اسے اپنے محبوب کی تنقیص ذرا بھی
برداشت نہیں۔ مصنف کتاب باوجودیکہ بہت نرم طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اس موقع پر ان کے قلم
کا جلال دیکھنے کے قابل ہے۔ کسی اور خاتم النبیین کے امکان کے سوال پر ان کے ایمان کی غیرت
اس درجہ بے قابو ہو گئی ہے کہ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔ میدان وفا میں عشق کو سر بکف
دیکھنا ہو تو یہ سطریں پڑھئے۔

مصنف کتاب تجذیر الناس کے مباحث کا محاسبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو کُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ "پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے؟ یا قرونِ ثلاثہ میں کسی نے کی تھی۔ پھر ایسی بدعتِ قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا؟

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہو گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

لکھتے لکھتے اس مقام پر عشق و ایمان کی غیرت نقطہ انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ غیظ میں ڈوبے

ہوئے ان کلمات کا ذرا تیور ملاحظہ فرمائیے! تحریر فرماتے ہیں:

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے؟

یہ تو بتائیے کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کوئی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی

ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دوم (دودھاری تلوار) ان سے لے کر میدان میں آکھڑے ہوئے۔

پانچویں تنبیہ :

افسوس ہے اس دُھن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ لوح کو اس خاتم فرضی کا انتظار کتنے کنوئیں جھنکائے گا۔ مقلدین سادہ لوح کے دلوں پر اس تقریر نامعقول کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف لام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت صرف ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کے بعد بھی انبیاء پیدا ہوں گے اور ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔

معاذ اللہ اس تقریر نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔ ذرا سوچیے تو کہ حضور کے خاتم النبیین ہونے کے سلسلے میں یہ سارے احتمالات حضور کے روبرو نکالے جاتے تو حضور پر کس قدر شاق گزرتا۔

چھٹی تنبیہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر حضور کی حالت کس قدر متغیر ہو گئی تھی کہ چہرہ مبارک سے غضب کے آثار پیدا تھے۔ اور باوجود اس خلق عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے

اتباع کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص با آسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

”إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ
عَذَابًا مُهِينًا“

ترجمہ: جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو، لعنت کرے گا اللہ ان پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ذلت کا عذاب۔ (انوار احمدی، ص ۵۲)



درود و سلام کی نورانی بحث

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف نے صفحہ قرطاس پر علم و حکمت اور عشق و عرفان کے ایسے قیمتی جواہرات بکھیرے ہیں کہ ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ چونکہ درود و سلام بارگاہ رسالت میں تقرب کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے اس لئے مصنف کتاب نے اس بحث کو علمی نوادرات اور عقیدہ و اخلاص کے محرکات سے اتنا آراستہ کر دیا ہے کہ اس کے بے لاگ مطالعہ کے بعد دلوں کو الہانہ محبت کی وارفتگی سے بچالینا بہت مشکل ہے۔ تا آنکہ کسی کے دل ہی پر سیہ بختی کی مہر لگ گئی ہو۔ حضرت مصنف نے درود و سلام کے سلسلے میں بحث کے اتنے نئے نئے گوشے پیدا کئے ہیں کہ ان کے ذہنی تجسس اور قوت فکر کی نکتہ آفرینی پر حیرت ہوتی ہے۔

آنے والے صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ حضرت مصنف اس طبقے سے پوری طرح باخبر ہیں جو درود و سلام کا مخالف ہے یا دوسرے لفظوں میں درود و سلام کو فروغ دینے والی روایات و محرکات کا دشمن ہے۔

فضائل درود و سلام:

درود شریف کی برکات اور فضائل و مناقب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مصنف

رقطراز ہیں:-

درود شریف کی برکت سے فقر و تنگدستی دور ہوتی ہے۔ پردہ غیب سے رزق کے بہت سے دروازے کھلتے ہیں۔ درود شریف کا درود رکھنے والا نبی پاک ﷺ کی روحانیت سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ درود و سلام ایک مرشد کی طرح قلوب کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور درود رکھنے والے کو گناہوں کی آلودگی اور نفس کی شرارت سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کا ثواب پہاڑوں کے برابر صدقہ دینے اور غلام آزاد کرنے کے مثل ہے، درود شریف

گناہوں کو مٹاتا ہے اور نیکیوں کے ذخیرے کو بڑھاتا ہے۔ درود پڑھنے والا مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ جنت میں اس کا کہاں ٹھکانہ ہے۔ قیامت کی ہولناک گھڑی میں درود شریف پڑھنے والے کو عرش الہی کا سایہ نصیب ہوگا اور ہول اور دہشت سے نجات پائے گا۔ حضور انور ﷺ کی شفاعت و قربت اسے میسر آئے گی۔ اور آخرت کی سرفرازی اور کامیابی اسے حاصل ہوگی۔ درود شریف کا درود رکھنے والا قبر کی وحشت سے محفوظ رہے گا اور حق تعالیٰ کے غضب سے امن پائے گا۔

﴿انوار احمدی، ص ۵۴﴾

درود شریف کے اہتمام کی ضرورت

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں :

حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک کثرت سے ہو۔ اسی لئے جملہ مومنین کو درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا۔ اور وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ میں خود بھی اس کام میں مشغول ہوں اور تمام ملائکہ بھی مشغول ہیں لہذا اے ایمان والو تمہیں بھی چاہیے کہ تم بھی اسی کام میں مشغول رہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب خود خداوند قدیر اور اس کے تمام فرشتے تمہارے نبی ﷺ پر ہر وقت درود بھیجتے ہیں تو بطریق اولیٰ تمہیں چاہیے کہ پوری جانفشانی اور دلدادگی کے ساتھ تم اس کام میں مشغول رہو کیونکہ تم اس نبی کے امتی بھی ہو اور اس کے احسان کے نیچے تمہارا بال بال دبا ہوا بھی ہے۔

امت کی مغفرت و نجات کے لئے اگر اپنے رسول کے گریہ شب، اور

مناجات سحر کا شکریہ تم پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہو۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک طرف امتی ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور دوسری طرف ان کے ذکر سے گریز کا راستہ بھی تلاش کرتے ہو۔

اس کے بعد مصنف کتاب نے درود شریف کے فضائل پر دو حیرت انگیز اور ایمان افروز حدیثیں پیش کی ہیں۔

فضائل درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں

پہلی حدیث:

فضائل درود شریف

کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھتا ہے اس کے بدلے میں حق تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور دس بار اس کے درجے بلند کرتا ہے اور ایک فرشتہ درود پڑھنے والے کے حق میں وہی الفاظ کہتا ہے جو وہ آپ کے حق میں کہتا ہے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ وہ فرشتہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر درود پڑھے وہ فرشتہ جواب میں کہے کہ تجھ پر بھی خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔

﴿فائدہ﴾

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب ایک عجیب و غریب نکتہ ارشاد فرماتے ہیں:

اب دیکھئے درود شریف پڑھنے کا حکم ۲ھ میں صادر ہوا لیکن درود پڑھنے کا

صلہ دینے کے لئے وہ فرشتہ پہلے ہی سے موجود ہے۔

اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف کی کیسی قدر و قیمت ہے اور اس کی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے حق تعالیٰ نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہونگے اور وہ فرشتے ہیں۔ (انوار احمدی، ص ۵۸)

دوسری حدیث:

سونے کا قلم، چاندی کی دوات، اور نور کا کاغذ

مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں کہ:

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آنکھیں بند کیے ہوئے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران انہیں محسوس ہوا کہ جو درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اسے کاغذ پر لکھ رہا ہے جب انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہو گیا۔

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث کنز العمال میں حضرت دیلمی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت علیؑ ہیں، وہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو جمعہ کی رات اور دن کے وقت آسمان سے نازل ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کا قلم، چاندی کی دوات اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

اس حدیث کی عربی عبارت یہ ہے:

بَايْدُ يَهُمُّ اَقْلَامٌ مِنْ ذَهَبٍ
وَوَدْوَىٰ مِنْ فِضَّةٍ وَ
قَرَّاطِيسُ مِنْ نُورٍ لَا
يَكْتُبُونَ اِلَّا الصَّلٰوةَ عَلٰى
النَّبِيِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ

ترجمہ: ان کے ہاتھوں میں سونے کے
قلم، چاندی کی دواتیں اور نور کے کاغذ ہوتے
ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر پڑھا جانے والا درود شریف
لکھتے رہیں۔

فضیلت درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ

مصنف کتاب نے طبرانی کے حوالے سے ایک نہایت رقت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جو
حضور نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مشہور صحابی حضرت زید ابن ثابت رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے منقول ہے۔
وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت ہم آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ہمراہ
گھر سے نکلے جب مدینے کے ایک چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے اونٹ کی مہار
تھامے ہوئے سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ جب وہ حضور کے قریب پہنچا تو اس طرح سلام عرض کیا
اَلْسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ، حضور نے اس
کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔

اسی درمیان ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا! یا رسول اللہ!
یہ دیہاتی میرا اونٹ چرا کر لئے جا رہا ہے۔ اس پر اونٹ نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی جسے سنتے
ہی ارشاد فرمایا کہ تو میرے سامنے سے دفع ہو جا۔ اونٹ خود گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

جب وہ چلا گیا تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اُس دیہاتی سے فرمایا کہ جس وقت تو میری
طرف آ رہا تھا اس وقت تو کیا پڑھ رہا تھا؟ اس نے عرض کیا میرے باپ آپ پر قربان ہوں۔ اُس

وقت میں یہ درود شریف پڑھ رہا تھا۔

”اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ حَتَّى لَا تَبْقَى مِنَ الصَّلَاةِ شَيْءٌ“ اللَّهُمَّ سَلِّمْ عَلَى مُحَمَّدٍ حَتَّى لَا يَبْقَى مِنَ السَّلَامِ شَيْءٌ“، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ حَتَّى لَا تَبْقَى مِنَ الْبَرَكَاتِ شَيْءٌ“، اللَّهُمَّ ارْحَمْ عَلَى مُحَمَّدٍ حَتَّى لَا تَبْقَى مِنَ الرَّحْمَةِ شَيْءٌ“

یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تیرے منہ سے نکلے ہوئے درود کے الفاظ وصول کرنے کے لئے آسمانوں سے اتنے فرشتے نازل ہوئے کہ مدینہ کے آسمان کا سارا افق فرشتوں سے بھر گیا۔

اس حدیث سے مصنف کتاب نے استدلال کیا ہے کہ درود شریف پڑھنے کے وقت آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پڑھنے والے کے منہ سے درود شریف کے نکلے ہوئے الفاظ تک نظر آتے ہیں۔

حضور کے دربار میں درود سلام کس طرح پہنچتا ہے؟

مصنف کتاب نے اس عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دربار میں تین طریقوں سے درود و سلام پہنچتا ہے۔

پہلا طریقہ:

بواسطہ ملائکہ پہنچتا ہے

پہلا طریقہ یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے منہ سے نکلے ہوئے درود و سلام کے الفاظ لے کر عرش الہی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ راستے میں جس فرشتے پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔

یعنی اس درود پڑھنے والے کے لئے بھی اسی طرح رحمت کی دعا کرو جس طرح اس نے محمد ﷺ پر درود بھیجا ہے۔

(القول البدیع، مسالک الخفاء)

صَلُّوا عَلٰی قَائِلِهَا كَمَا
صَلَّيْتُ عَلٰی النَّبِيِّ
مُحَمَّدٍ صَلَّيَ اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ

جب بارگاہ رب العزت میں وہ درود و سلام پیش کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے:

یعنی اس درود کو میرے محبوب کی قبر شریف کی طرف لے جاؤ اور ان کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ درود پڑھنے والے کے لئے دعائے مغفرت کریں اور درود شریف کے ذریعہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں

إِنْ هَبُوا بِهَا إِلَى قَبْرِ
عَبْدِي يَسْتَغْفِرُ لِقَائِهَا
وَيَقْرُبُهَا عَيْنُهُ

(رواہ الدیلمی عن ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں:

اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے کہ ہدیہ درود بارگاہ مرجع عالم ﷺ میں پیش ہو، حق تعالیٰ صرف بہ نظر عزت افزائی اسے اپنی بارگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے کو بدعائے خیر یاد فرمائیں۔ سبحان اللہ! عنایت و اکرام کا کیسا عظیم الشان ذریعہ قائم کیا گیا کہ اب تک کسی کو نصیب ہوا کہ ہم لوگ درود پڑھیں تو ہمارا ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے؟ (انوار احمدی، ص ۶۶)

دوسرا طریقہ:

بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام پہنچتا ہے

حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام درود و سلام کا تحفہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دربار گہر بار میں براہ راست خوب پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبدالرحمن ابن عوف رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی روایت سے اس مضمون کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

ترجمہ: میری وفات کے بعد تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجے گا اسے جبریل امین اپنے ساتھ لے کر میرے پاس حاضر ہوں گے۔ اور عرض کریں گے کہ فلاں ابن فلاں نے آپ پر یہ سلام بھیجا ہے میں جواب میں کہوں گا کہ اس پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت و برکت نازل ہو۔

مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ
يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِذَا مِتُّ
إِلَّا جَاءَنِي سَلَامُهُ
مَعَ جِبْرِئِيلَ وَيَقُولُ
يَا مُحَمَّدُ هَذَا فُلَانُ
ابْنِ فُلَانٍ
يَقْرَأُكَ السَّلَامَ
فَأَقُولُ وَ عَلَيْهِ السَّلَامُ
وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَ
بَرَكَاتُهُ

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ خاص ایک فرشتہ اسی خدمت پر مامور ہے کہ وہ روئے زمین کے طول و عرض میں پیش کئے جانے والے درود و سلام کا تحفہ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تک پہنچائے۔ جیسا کہ کنز العمال میں امام طبرانی کی روایت سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ ارشاد نقل ہوا

ہے جس کے اصل راوی حضرت عمار رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضور نے انھیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اے عمار اللہ کا ایک فرشتہ

ہے جسے اللہ نے جملہ مخلوقات کی آواز

سننے کی قدرت عطا کی ہے اور وہ

میرے انتقال کے بعد میری قبر پر

قیامت تک کھڑا رہے گا اور میرا جو

امتی مجھ پر درود پڑھے گا وہ اس کے

نام اور ولدیت کے ساتھ اس کا بھیجا

ہوا درود مجھ تک پہنچائے گا۔ اور پھر

اللہ تعالیٰ اس کے ہر درود کے بدلے

میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے

گا۔

”يَا عَمَّارُ ابْنُ اللَّهِ

مَلَكًا أَعْطَاهُ سَمَاعُ

الْخَلَائِقِ وَهُوَ قَائِمٌ

عَلَى قَبْرِى إِذَا

مِتُّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ

فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ

أُمَّتِي صَلَّى

عَلَى صَلَوةٍ إِلَّا

يُسَمِّى بِاسْمِهِ وَ

إِسْمِ أَبِيهِ قَالَ يَا

مُحَمَّدُ صَلَّى

فَلَانٌ "عَلَيْكَ كَذَا

وَكَذَا فَيُصَلِّى

الرَّبُّ عَلَى ذَاكَ

الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ

عَشْرًا“

کنز العمال میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی نقل

ہوئی ہے حضور نے ارشاد فرمایا:

مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ اللہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کیا ہے۔ جب میرا کوئی امتی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے محمد فلاں کے بیٹے فلاں نے ابھی آپ پر درود پڑھا ہے۔

اَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ
فَإِنَّ اللَّهَ وَكُلَّ مَلَكٍ
عِنْدَ قَبْرِیْ إِذَا صَلَّی
رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِیْ قَالَ
ذَٰلِكَ الْمَلِكُ یَا مُحَمَّدُ
إِنَّ فُلَانِ ابْنَ فُلَانٍ
صَلَّى عَلَیْكَ السَّاعَةَ (دیلی)

تیسرا طریقہ:

بلا واسطہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بذاتِ خود سماعت فرماتے ہیں

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ ہر امتی کا درود و سلام حضور پاک صاحبِ لولاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بذاتِ خود اپنے گوش مبارک سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبرانی کے حوالہ سے محدث کبیر ابن حجر مکی نے اپنی مشہور کتاب الجواہر المنظم میں حضور کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

ترجمہ: جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا؟ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ نے انبیاء کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔

يَسْمَعُ مِنْ عَبْدٍ يُصَلِّي
عَلَيَّ إِلَّا بَلَغْنِي صَوْتُهُ
فَلَنَّا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَبَعْدَ
رَفَاتِكَ؟ قَالَ وَبَعْدَ
رَفَاتِي فَإِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ
عَلَيَّ الْأَرْضَ أَنْ تَأْكُلَ

جَسَدَ الْأَنْبِيَاءِ

سماعت نبوی ﷺ پر ایک فکر انگیز استدلال

حضرت فاضل مصنف یہ ساری حدیثیں نقل کرنے کے بعد سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

جب اتنی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہیں اور وہ آن واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہل ایمان کو آنحضرت ﷺ کے احاطہ علمی میں شک کا کیا موقع ہو گا۔ اس لئے کہ بنی شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفہ لازم آتا ہے (یعنی اگر حضور کے بارے میں دور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے تو خدا کے ساتھ برابری لازم آجائے گی۔ لیکن جب فرشتے دور سے ہر شخص کا درود و سلام سن لیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ صفت خدا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس نے یہ صفت اپنی مخلوق کو بھی عطا کی ہے) پھر جب آنحضرت ﷺ کے خدام میں یہ صفت بطریق اولیٰ اور بدرجہ اتم موجود ہو۔ جیسا کہ حدیث ماسبق میں خود حضور نے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کی آواز خود سنتا ہوں تو حضور کے احاطہ علمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟ (انوار احمدی، ص ۷۰)

ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب

فاضل مصنف نے ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے نہایت شاندار بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اپنے غلاموں کا درود و سلام حضور خود سنتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا درود و سلام پہنچانے کے لئے پھر فرشتے کیوں مقرر کئے گئے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق

تعالیٰ کے حضور میں بھی تو بندوں کے اعمال بذریعہ ملائک ہی پیش ہوتے ہیں حالانکہ وہ عالم الغیب ہے۔ بندوں کے سارے اعمال و افعال سے وہ باخبر ہے، اس لئے ماننا پڑے گا کہ بذریعہ ملائک اعمال پیش کئے جانے کی وجہ لاعلمی نہیں بلکہ سطوت شاہانہ اور شوکت حاکمانہ کا اظہار ہے۔ یہی حکمت فرشتوں کے ذریعہ درود و سلام کی پیشی میں بھی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور کی قبر شریف کے پاس بھی اگر کوئی شخص درود و سلام پیش کرتا ہے تو اسے بھی حضور تک فرشتے ہی پہنچاتے ہیں، اس سے بھی حضور نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عظمت و شوکت کا اظہار مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ :

مَامِنْ عَبْدٍ يُسَلِّمُ عَلٰی
عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وَكَّلَ اللّٰهُ
بِهٖ مَلٰکًا یُّبَلِّغُنِیْ وَ کُفٰی
اَمْرُ اٰخِرَتِهٖ وَ دُنْیَاہُ کُنْتُ بِہٖ
شَہِیدًا یَوْمَ الْقِیَمَةِ
ترجمہ : جو بندہ بھی میری قبر کے پاس مجھے سلام کرتا ہے، اس کا سلام مجھ تک وہ فرشتہ پہنچاتا ہے جو اس کام کے لئے مقرر ہے۔ اس کا سلام دنیا و آخرت کی جملہ مہمات کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس پر گواہی دوں گا۔ (کنز العمال)

اس کے علاوہ سلام پہنچانے پر بہت سے فرشتے معمور ہیں جو ہمیشہ اسی تلاش میں پھرا کرتے ہیں۔ اور جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ مسالک الحفّا میں حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے یہ حدیث منقول ہے :

قَالَ اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰئِکَۃً
سَیَّجِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ عَنْ
اُمَّتِی السَّلَامَ
اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرا جو امتی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے وہ اس کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔ (احمد، نسائی، دارمی، بیہقی)

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف پہنچانے کے دوزریعے ہیں اسی طرح سلام پہنچانے

کے بھی دوزر لیے ہیں۔ ایک حضرت جبریل دوسرے یہ ملائکہ سیاحین۔

اس کے بعد حضرت مصنف نے درود شریف کی فضیلت میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو نہایت عظیم الشان ہیں۔

پہلی حدیث:

عظمتِ درود شریف

فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کہ جو شخص میرے حق کی تعظیم و تکریم کی نیت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے حق تعالیٰ اُس کلمہ سے ایک ایسا عظیم الجثہ فرشتہ پیدا کرتا ہے جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا بازو مغرب میں اور پاؤں تخت الثریٰ میں اور عرش الہی کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے حق میں تو بھی رحمت و مغفرت کی دعا مانگ جس طرح اس نے میرے پیارے نبی پر درود بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ فرشتہ قیامت تک اس بندے کے حق میں رحمت و مغفرت کی دعا کرتا رہے گا۔

(روایت کیا اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں اور ابن شاہین نے ترغیب میں)

دوسری حدیث:

عجیب الخلق فرشتہ کی درود خوان کے حق میں دعا

فرمایا رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیئے ہیں جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ اور مجھ کو سارے نبیوں پر فضیلت دی۔ اور میری امت کیلئے اعلیٰ درجے مقرر فرمائے کہ وہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں اور متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منظوش ہے وہ اتنا طویل القامت اور عظیم الجثہ ہے کہ اس کا سر عرش الہی کے نیچے اور اس کا پاؤں تخت الثریٰ میں

ہے۔ اور اس کے اسی ہزار بازو ہیں، اسی ہزار پر ہیں۔ اور پر کے نیچے اسی ہزار روٹنے ہیں اور ہر روٹنے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ اور اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہے جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے۔ یہ حدیث حضرت معاذ ابن جبل سے مروی ہے۔ (روایت کیا اسے ابن بشکوال نے)

ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں:

شاید اتنے بڑے فرشتوں کا وجود مستبعد سمجھا جائے تو میں سوال کروں گا کہ استعباد کی وجہ کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے عظیم الجثہ فرشتوں کے پیدا کرنے سے قاصر ہے؟ قاصر کہنا تو عقلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے باطل اور محال ہے۔ کیونکہ خدا کی قدرت تخلیق کے لئے چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق دونوں برابر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر کے لفظ گن کہا اور وہ چیز فوراً وجود میں آگئی۔

(انوار احمدی، ص ۸۰)



صلوٰۃ کے معنی کے تعین میں ایک شاندار علمی بحث

حضرت فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں صلوٰۃ کے معنی کی تفسیر میں ایک نہایت شاندار علمی بحث فرمائی ہے جو اہل ایمان کے لئے قابل دید ہے۔

پہلا معنی:

خطیب شربی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لغت میں صلوة کے معنی دعا کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

”وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اَيُّ اَدْعُ آپ ان پر صلوة بھیجئے یعنی اُن کے لئے دعا کیجئے۔“

اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے

”اِنَّ صَلَوتَكَ
مَنْكَرٌ لَّهْمُ“
ان کے لئے تسکین کا موجب ہے
اور بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی جب تک درود پڑھنے میں مصروف رہتا ہے جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو اس کے حق میں فرشتے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک اور آیات قرآنی سے واضح ہو گیا کہ صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں۔

دوسرا معنی:

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کے معنی دُعا کے لئے جائیں تو ایسی صورت میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ تو دعا کر محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی خدا کی جناب میں صادق نہیں آتے کیونکہ دُعا مانگنا بندوں کا کام ہے نہ کہ خدا کا۔ اس لئے صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہیں۔ جیسا کہ شرح مواہب لدنیہ میں ہے۔

” قَالَ الْمُبَرِّزُ الصَّلَوةُ مِنَ اللَّهِ الرَّحْمَةُ وَالْإِنْعَامُ “
یعنی اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کے معنی رحمت اور انعام کے ہیں۔

امام سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ کی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ صَلَوتِيْ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ میری رحمت ہے جو میرے غضب پر غالب ہے اور امام باقر علیہ السلام نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:

اَلصَّلَوةُ مِنَ اللّٰهِ غَرْوٌ جَلٌّ هِيَ رَحْمَةٌ وَمِنْ اَلْمَلٰئِكَةِ اَلْاَسْتِغْفَارُ وَمِنْ اَلْاُمَّةِ الدَّعَاءُ

جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس سے رحمت مراد ہوگی اور جب ملائکہ کی طرف ہوگی تو اس سے استغفار مراد ہوگا اور جب امت کی طرف ہوگی تو اس سے دُعا مراد ہوگی

تیسرا معنی:

صلوٰۃ کے تیسرے معنی تعظیم و ثنا کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

قَالَ أَبُو الْعَالِيَةِ صَلَوَةُ اللَّهِ
تَنَاءَهُ عَلَيْهِ عِنْدَ الْمَلٰٓئِكَةِ
حضرت ابو العالیہ نے کہا کہ نبی پر اللہ کی صلوٰۃ
سے مراد نبی کی ثناء بیان کرنا ہے فرشتوں کے
جمع میں۔

امام قسطلانی کی صراحت کے مطابق یہی معنی 'ابن قیم کے نزدیک بھی پسندیدہ
ہیں۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں کئی دلیلیں اس بات پر قائم
کی ہیں کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔ ان کے دلائل کی تفصیل یہ ہے۔
پہلی دلیل:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ
مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ
یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف
سے صلوات ہیں اور رحمت ہے۔

یہاں رحمت کا عطف صلوات پر ہے اور یہ بات اہل زبان کے نزدیک مسلم ہے کہ
عطف مغاڑت کو چاہتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔

دوسری دلیل:

علماء کی صراحت کے مطابق صلوٰۃ انبیاء و رسل کے ساتھ خاص ہے اور ان کے واسطہ
سے عامۂ مومنین بھی اس میں شامل ہیں لیکن رحمت کا مفہوم اتنا عام ہے کہ وہ مومن و غیر مومن
انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ صلوٰۃ اور رحمت دو الگ الگ
چیزیں ہیں۔

تیسری دلیل:

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

درود پڑھنا واجب ہے چاہیے کہ اَللّٰهُمَّ اَرْحَمُ سَيِّدِنَا مُحَمَّدًا وَّ اٰلِ

سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ رحمت نازل فرما ہمارے آقا محمد اور ان کی آل پر، کہنے سے واجب ادا ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نہ کہا جائے واجب ادا نہ ہوگا۔

چوتھی دلیل:

عرب کے عرف کے مطابق اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے کھانا کھلا دیا تو زبان عرب میں اسے رَحْمَہ کہا جاتا ہے یعنی اس نے اس پر رحم کیا۔ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ نہیں کہا جاسکتا۔ دیکھئے یہاں رحمت کا مفہوم صادق آتا ہے لیکن صلوٰۃ کا نہیں اس لئے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ اور رحمت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

پانچویں دلیل:

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو آیہ شریفہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ کے معنی یہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت نازل کرتے ہیں نبی ﷺ پر لہذا اے ایمان والو! تم بھی دعا کرو ان کے لئے۔

وجدان سلیم گواہی دیتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے کلام کے اوّل و آخر کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر صلوٰۃ کے معنی تعظیم و ثناء کے ہوں تو ایت کا مضمون مربوط ہو جائے گا۔ اللہ اور فرشتوں کی ثناء تو ظاہر ہے لیکن مومنین کی صلوٰۃ بصورت دعا بھی ثناء کو متضمن ہو گی کہ نبی ﷺ کے لئے حق تعالیٰ سے ثناء طلب کرنا بھی ایک طرح کی ثناء ہے۔

چوتھا معنی:

بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد مغفرت ہے جیسا کہ امام قسطلانی اپنی کتاب

مسائل الحفاء میں تحریر فرماتے ہیں

إِنَّ صَلَاةَ اللَّهِ مَغْفِرَتُهُ، یعنی اللہ کی صلوٰۃ سے مراد اللہ کی مغفرت ہے۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس سے اس دعوے پر انھوں نے استدلال کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا:

هَذَا السَّلَامُ قَدْ عَرَفْنَاهُ
فَكَيْفَ الصَّلَاةُ وَقَدْ غَفَرَ
اللَّهُ لَكَ مَا تَقْدَمُ مِنْ
ذُنُوبِكَ وَمَا تَأْخَرُ قَالَ قُولُوا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں اب صلوٰۃ کا
طریقہ کیا ہوگا جبکہ خداوند قدوس نے آپ
کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے۔ فرمایا
اس حکم کی تعمیل میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ کہا کرو۔

اس حدیث میں صحابہ کرام کے سوال سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے صلوٰۃ کے لفظ سے مغفرت کے معنی سمجھا۔ اس لئے انھیں تردد ہوا کہ مغفرت کرنے کا کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پھر بندوں کو مغفرت کا حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا؟ یا اس لئے انہیں تردد ہوا کہ سورہ فتح کی مشہور آیت کریمہ کے ذریعہ مغفرت کا پروانہ تو حضور ﷺ کو مل چکا اب دوبارہ مغفرت کا مطلب کیا ہوگا۔ اس لئے صلوٰۃ کے امتثال میں انہیں سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضور ﷺ کے فرمان کے بعد اسے امتثالاً لامر صحابہ کرام نے قبول کر لیا۔

حضور ﷺ کے افضل الرسل کے حوالے سے ایک ایمان افروز حدیث نوید مغفرت کے سلسلے میں حضرت فاضل مصنف نے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء سے ایک ایسی روح پرور حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس سے دل کی بیماریوں کو شفا ملتی ہے اور حضور کی

جلالتِ شانِ مہرِ نیم روز کی طرح سب پر روشن ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ایک موقع پر جبکہ میں رب العزت کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ارشاد ہوا اے محمد! کچھ سوال کرو؟ میں نے عرض کیا میں کیا سوال کروں اے میرے پروردگار؟ تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور حضرت نوح کو برگزیدہ کیا۔ اور حضرت سلیمان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی اور کو سزاوار نہیں۔ ارشاد ہوا جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔

میں نے تمہیں کوثر دیا، اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ وہ آسمان میں ہر طرف پکارا جاتا ہے۔ تمہارے لئے اور تمہاری امت کے لئے میں نے ساری روئے زمین کو طیب و طاہر بنایا اور تمہارے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ بخش دیئے، اب تم ایک مغفور کی شان کے ساتھ زمین پر چل رہے ہو۔ تم سے پہلے ان عنایات بکراں کا کوئی بھی حامل نہیں بن سکا۔ اور تمہاری امت کے دلوں کو میں نے اپنی جلوہ گاہ بنایا اور تمہیں شفاعت کے اس منصبِ جلیل پر فائز کیا کہ یہ درجہ اب تک کسی نبی کو نہیں مل سکا۔

اس مہکتی ہوئی اور چمکتی ہوئی حدیث کی خوشبو سے آپ کے قلوب معطر اور آپ کی آنکھیں منور ہو گئی ہوں تو اب پھر اسی سلسلہ بحث کی طرف پلٹ آئیے کہ صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں۔

حضورِ اکرم ﷺ کی عظمت و فضیلت کے حوالے سے فیصلہ کن بات ان ساری تفصیلات کے بعد حضرت فاضل مصنف صلوٰۃ کے معنی کے سلسلے میں ایک فیصلہ کن بات تحریر فرماتے ہیں:

ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمالِ تعظیم اور خصوصیت آنحضرت ﷺ کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جاوے اور علوئے شان اور رفعت منزلت درود شریف کی ثابت ہو۔ یہاں تک کہ جنہوں نے صلوٰۃ

سے رحمت مُراد لی ہے اُن کا بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ رحمت عامہ ہے۔ بلکہ وہ رحمت مراد ہے جو آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے خاص کی گئی ہے۔ جیسا کہ زرقانی نے اسی قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا جو صاحب مواہب نے صلوٰۃ ورحمت میں مغائرت کو ثابت کرنے کے لئے آیت کریمہ اُولَئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّہُمْ وَرَحْمَةٌ سے استدلال کیا ہے۔ (انوار احمدی، ص ۸۸)

ایک بصیرت افروز نکتہ

حضرت فاضل مصنف نے حکم صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم احکام خداوندی کا جائزہ لو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جہاں جہاں بھی کوئی حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل میں بندوں کی طرف سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے، مثال کے طور پر نماز کے حکم کی تعمیل میں قیام رکوع اور سجدے کئے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم کے امتثال میں بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ بخلاف درود شریف کے کہ حکم صلوٰۃ کی تعمیل میں کوئی کام نہیں کیا جاتا بلکہ اسی لفظ کو خدا کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ
اے اللہ تو ان پر صلوٰۃ بھیج۔

یہ بلاشبہ ایسا ہی ہے جیسے نبی اسرائیل نے قال کے حکم کے جواب میں خداوندِ قدوس اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فَقَاتِلَا اِنَّہُمْ لَنَا قَاعِدُوْنَ کہا تھا۔ تم دونوں خود لڑو، ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔

لیکن یہاں بنی اسرائیل کی طرح باغیانہ سرکشی یا حکم کی تعمیل سے انکار نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ صلوٰۃ "عَلَى النَّبِیِّ" کا مطلب جب رفع درجات اور اعتنائے شان مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہے تو بندوں میں اس کا یارا کہاں؟ اب حکم سے عہدہ برآ ہونے کی

صورت ہو اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے بندے خود رب العزت سے درخواست کریں کہ اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ! تو ہی اپنے پیارے نبی کی شان بلند فرما اور ان کی عزت و تکریم میں بے پایاں ترقی عطا کر کہ تو ہی اس کی ذرت بھی رکھتا ہے اور اپنے نبی کے رتبے سے بھی واقف ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمۃ کے علمی نکتہ سے استفادہ

حضرت فاضل مصنف نے تفسیر تاویلات القرآن کے حوالہ سے امام ابو منصور تریدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک علمی نکتہ سپرد قلم فرمایا ہے۔

امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت و وجود ہے لیکن اُن میں سے بعض چیزوں کا وجود محسوس ہوتا ہے اور بعض چیزوں کا وجود عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے اور ہر شے کی حقیقت اپنا ایک مخصوص تشخص رکھتی ہے اور اس بنیاد پر وہ دوسری شے کی حقیقت سے ممتاز ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر احادیث کی صراحت کے مطابق موت کی صورت دُبنے کی ہے جو امت کے دن ذبح کی جائیگی۔ اور نیل و فرات نام کی دونہیں جو زمین پر بہتی ہیں ان کا منبع نور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب پچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ کلمۃ الحمد للہ قیامت کے دن میزان کو بھر دے گا اور کلمۃ سبحان اللہ اور کلمۃ اللہ اکبر زمین و سماں کی وسعتوں پر چھائے ہوئے ہیں اور نماز ایک نور ہے۔

• اسی طرح حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں۔ حضرت جبریل امین چتکبرے رنگ کے گھوڑے پر لا کر میرے پاس آئے۔ یہ ساری زمین وہ ہیں جن کا وجود حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت و موجود ہے لیکن ان کا مشاہدہ عام انسانوں کی قوت ادراک سے بالاتر ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد مصنف کتاب نے اپنے ایمانی احساسات کی جوت جگاتے ہوئے

اپنے علمی کمالات کے وہ جواہرات بکھیرے ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اسی طرح درود شریف کا حال بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک ممتاز شے ہے اور وجود اس کا اس عالم کے جنس سے نہیں ہے اور نہ ادراک اس کا حواس جسمانیہ سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت ﷺ کی روحانیت مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے اور تعجب نہیں کہ آنحضرت ﷺ اسے دیکھ بھی لیتے ہوں۔ کیونکہ ملکوت و لاہوت اور دوسرے عالم کی اشیاء جن تک ہماری قوت و ادراک کی رسائی دشوار ہے، آنحضرت ﷺ کو محسوس و مشاہد تھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے کہ قیامت کے دن کی اشیاء کو حضور ﷺ یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے۔ (انوار احمدی، ص ۹۲)

اپنے اس دعوے پر کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن تک ہماری قوت ادراک کی رسائی نہیں ہو سکتی لیکن حضور نبی ﷺ اپنی غیبی قوت ادراک سے ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں، حضرت فاضل مصنف نے دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ اب ذیل میں اُن دلائل کے مطالعہ سے اپنے ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے۔

حضور اکرم ﷺ کی غیبی قوت ادراک کی پہلی دلیل :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں خانہ کعبہ کے قریب تھا کہ بیت المقدس میرے سامنے پیش کیا گیا۔ اب اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

”فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَ إِلَىٰ مَا فِيهِ وَ لَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ وَ أَهْلَهَا فِيهَا وَ أَهْلَ الْجَنَّةِ فِي الْجَنَّةِ قَبْلَ أَنْ يَدْخُلُوهَا كَمَا أَنْظُرُ إِلَيْكُمْ“
(رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس)

ترجمہ: میں اسے اور اس کے اندر کی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ اور میں نے جہنم اور اہل جہنم کو بھی دیکھا۔ اسی طرح میں نے جنت اور اہل جنت کو بھی دیکھا قبل اس کے کہ وہ جنت میں داخل ہوں۔ اور ان ساری چیزوں کو میں نے بالکل اسی طرح دیکھا جیسے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔

مکہ مکرمہ میں بیٹھ کر بیت المقدس کا مشاہدہ کرنا اور اس دنیا میں رہ کر جنت و دوزخ کے مناظر دیکھنا، عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے۔ یہ شان صرف پیغمبر کی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی غیبی قوت ادراک کی دوسری دلیل:

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز پڑھی۔ اس وقت حضور پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ جیسے کوئی کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔ میں تمہارا امیر منزل ہوں، میں تمہارے ایمان و اعمال کا مشاہدہ ہوں اور تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔

وَ اِنِّیْ لَا اَنْظُرُ اِلَیْهِ وَ اَنَا فِیْ مَقَامِیْ هَذَا
اور میں یہیں سے کھڑے کھڑے اسے دیکھ رہا ہوں۔

اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔

وَ قَدْ أُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ

(رواہ الشیخان فی اصحیحین)

غور فرمائیے! ان میں سے کوئی چیز ایسی ہے جن کا ہم اپنے حواس کے ذریعہ ادراک کر

سکتے ہیں لیکن پیغمبر اعظم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شانِ علمی دیکھئے کہ اُن کی نگاہ پر کوئی حجاب حائل نہیں ہے۔ وہ اسی جہاں آب و گل سے عالمِ غیب کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی غیبی قوت ادراک کی تیسری دلیل:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابہ کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنِّیْ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ میں غیب کی وہ ساری چیزیں دیکھتا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ساری آوازیں سنتا ہوں جنہیں تم نہیں سن سکتے۔ فرشتوں کے بوجھ کی وجہ سے میں آسمان کے چرچر کرنے کی آواز بھی سنتا ہوں کیوں کہ آسمان میں چار انگلی بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔ (رواہ الترمذی وابن الماجہ)

اس حدیث میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہماری قوت ادراک اور نبی کی قوت ادراک میں کتنا عظیم فرق ہے۔

امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث:

اسی سلسلہ کے ساتھ امام سیوطی رَحِمَہُ اللہُ رَحِمَہُ کی یہ روایت بھی نظر میں رکھئے تو حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے احاطہ علمی اور غیبی قوت ادراک کا صحیح اندازہ لگ جائے گا۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ برستے ہوئے بارش کے ساتھ اتنے کثیر فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں کہ ان کی تعداد جن وانس کے سارے افراد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بارش کا ہر قطرہ شمار کر لیتے ہیں اور انہیں اس کی بھی خبر ہوتی ہے کہ کون قطرہ کہاں گرے گا۔ اور اس سے جو ہزہ اُگے گا اسے کون کھائے گا۔ (الحجبانک فی انباء الملائک)

حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی غیبی قوت ادراک کی چوتھی دلیل:

ابن اثیر نے اپنی کتاب اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک بار حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک انصاری نوجوان سامنے آیا حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے کس حال میں صبح کی؟ عرض

اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اور اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لو گے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا۔ بس انتظار کرو! اللہ سے دعا کرو!۔ اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب "میں خود تم سے بڑا وہابی ہوں" تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ اور درو دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں"۔ (سوانح مولانا محمد یوسف صفحہ ۱۹۳)

تھانوی صاحب سے لے کر مولانا منظور نعمانی، اور مولانا زکریا تک تبلیغی جماعت کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کے سامنے ہے کہ "ہم وہابی ہیں" "میں بڑا سخت وہابی ہوں" "میں تم سے بڑا وہابی ہوں"۔ کوئی دوسرا ان کے بارے میں یہ کہتا تو الزام سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یہ حضرات "وہابی" ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انہوں نے اپنی فحی گفٹگو اور تنہائی کی ملاقات میں کیا ہے اس لئے اُسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ واضح رہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صراحت کے مطابق ابن عبد الوہاب نجدی کی پیروی کرنے والوں کو "وہابی" کہتے ہیں۔

اتنی مضبوط اور ٹھوس شہادتوں کے بعد اب آپ کو انگلی اٹھا کر دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہابی کون ہے اور کونسا طبقہ وہابی مذہب کے خلاف سینہ سپر ہے۔ اگر اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ آپ کے دل کا رشتہ صحیح ہے تو آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

بڑی بات یہ ہے کہ نبی صاحبہ کا سوال سن کر حضور ﷺ نے بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ان کا سوال اپنے محل میں صحیح تھا۔

اس حدیث سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ کے فیضانِ محبت، اور اعجازِ نگاہ سے صحابہء کرام کی قوتِ ادراک بھی عالمِ غیب کے مشاہدہ کی استعداد سے آراستہ ہو گئی تھی۔

حضورِ اکرم ﷺ کی غیبی قوتِ ادراک کی پانچویں دلیل:

بخاری شریف میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک بار حضور ﷺ نے بغیر افطار کے پے در پے روزے رکھنا شروع کئے جب صحابہء کرام کو معلوم ہوا تو وہ بھی حضور کی پیروی میں اسی طرح کا روزہ رکھنے لگے جب ان کے ضعف و نقاہت سے حضور ﷺ کو ان کے روزے کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: **ثَوِّصَلُوا** اس طرح کا روزہ مت رکھو۔ اس کے بعد حضور نے ان کے اس جذبہء شوق پر تسکین کا مرہم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّي اُبِيتُ
وَيُطْعَمُنِي رَبِّي وَ
يُسْقِينِي
میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اس حال میں
رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور
پلاتا ہے۔

اس کے بعد فاضلِ مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے
کھانے پینے کی جنس سے ہوتا تو صوم وصال ہی کیوں کہا جاتا اور
لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ کیوں فرماتے اور تعجب نہیں کہ وَ قُرَّةٌ
عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ سے اسی طرف اشارہ ہو۔

(انوارِ احمدی، ص ۹۲)

آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ كَے نَكَات

حضرت فاضل مصنف نے آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ سے متعلق ایسے ایسے نادر و گرانمایہ نکات سپرد قلم فرمائے ہیں کہ صفحہ قرطاس پیرا میں گل کی طرح مہکنے لگا ہے پڑھئے اور سر دھنیئے! ارشاد فرماتے ہیں۔

آیت کے حوالے سے پہلا نکتہ :

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ ”بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے درود بھیجتے یُصَلُّوْنَ عَلٰی النَّبِیِّ“ ہیں نبی پر۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے تو انہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنا فرشتہ کہا ہے حالانکہ دیکھا جائے تو سارے فرشتے اللہ ہی کے ہیں۔ اور جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے کا ذکر کیا ہے وہاں صرف فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُونَ فرمایا ہے۔ یعنی سارے فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا وہاں فرشتوں کی اضافت اپنی طرف نہیں فرمائی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی عظمت کے منکروں کا تعاقب:

اس انداز بیان سے دربار خداوندی میں حبیب پاک ﷺ کے اس مقام تقرب کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنے اپنے ہیں کہ جو فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں وہ بھی اپنے ہو گئے۔ یہ شان صرف محبوب ہی کی ہو سکتی ہے کہ جسے ان کی طرف کسی طرح کی نسبت حاصل ہو جائے وہ بھی محبوب ہو جائے۔

اس نکتے کے بعد حضرت مصنف کا یہ غفلت شکن تازیانہ ملاحظہ فرمائیں:

اب ہم ان حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی ﷺ کی قدر چن داں ضروری نہیں ہے کہ کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ

قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے؟ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ ﷺ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا صلوة بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت ﷺ کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہیے تھی لیکن جب ان کے دل نبی ﷺ کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعوائے عظمت کبریائی ہے۔

بے ادبی کا انجام:

اس کے بعد غیرت حق میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا یہ تیور ملاحظہ فرمائیے:

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو خالق ارض و سما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے

(انوار احمدی، ص ۱۰۱)

اور حضرت مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدۂ انصاف سے پڑھنے کے قابل

ہے۔ فرماتے ہیں:

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جن سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ ہیں ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پروا نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں شرعی قباحت لازم آجائیگی۔ نعوذ باللہ من ذالک (انوار احمدی، ص ۱۰۰)

آیت کے حوالے سے دوسرا نکتہ:

آیت کریمہ إِنَّ اللہَ وَمَلَائِکَتُہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّؐ یعنی بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں کلام کا آغاز اِنَّ سے ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ اِنَّ ازالہ شک کے لئے آتا ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کے شک اور تردید کو اس کلام قدیم میں ملحوظ رکھا گیا ہے اور اِنَّ کے ذریعے ان کے تردید اور شک کا ازالہ کیا گیا ہے؟

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جس زمانے میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا اُس وقت تین ہی گروہ تھے۔ پہلا گروہ صحابہ کرام کا تھا، دوسرا گروہ کھلے کفار و مشرکین کا تھا اور تیسرا گروہ منافقین کا تھا جو اندر سے کافر و منکر اور اوپر سے مدعی اسلام تھے۔ قرآن اور صاحب قرآن پر صحابہ کا ایمان اتنا پختہ اور مستحکم تھا کہ وہاں شک اور تردید کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اب رہ گئے کھلے کفار تو وہ سرے سے اس آیت کریمہ میں مخاطب ہی نہیں ہیں اس لئے ان کے انکار و شک کے ازالہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب لے دے کے منافقین ہی کا طبقہ ایسا ہے کہ ایک طرف وہ قرآن پر ایمان لانے کے بھی مدعی تھے اور دوسری طرف اپنے دلوں میں کفر و انکار کا عقیدہ بھی چھپا کر رکھتے تھے:

اب چاہے اس دور کے منافقین ہوں یا بعد میں آنے والے اس قماش کے لوگ ہوں، اس آیت کریمہ میں اُنہی لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب

سب کا حاکم و مالک اور اس کے تمام فرشتے دائماً درود میں مشغول ہیں تو سلطنت الہیہ کی وفادار رعایا کا فرض کیا ہونا چاہیے اور اس کے محبوب کی عظمت کس قدر ان کے دلوں میں راسخ ہونی چاہیے اور کس درجہ درود و سلام کا انہیں اہتمام کرنا چاہیے، پھر ملاء اعلیٰ کی پیروی کا استحقاق تو اپنی جگہ پر ہے لیکن صراحت کے ساتھ دربار سلطانی سے حکم بھی صادر ہو گیا تو اب لیت و لعل کی کیا گنجائش رہ گئی۔ اتنی تاکید در تاکید کے بعد بھی اگر نبی کی عظمت کے آگے کسی کا دل نہ جھکے تو سمجھ لیجئے اس کے انجام پر بد بختی کی مہر لگ گئی۔

آیت کے حوالے سے تیسرا نکتہ:

آیت کریمہ میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) کے اَوَّلًا بالذات مخاطب مومنین صحابہ ہیں اور وہی لوگ اس خطاب کی لذت سے بھی واقف ہیں اور درود شریف کی عظمت کو بھی جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ قیامت تک پیدا ہونے والے اہل اسلام ان کے طفیل ہیں۔ یہیں سے یہ شناخت بھی قائم ہو گئی کہ جن کے دلوں میں درود و سلام کی عظمت نہیں ہے وہ اس خطاب کے اہل ہی نہیں ہیں۔

ہم تو بہر حال انہیں اہل نہیں سمجھتے لیکن مقام عبرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا مخاطب نہیں گردانتے کیونکہ اگر وہ لوگ اپنے آپ کو اس کا مخاطب سمجھتے تو درود و سلام کا ہرگز انکار نہیں کرتے چاہے بیٹھ کر پیش کرنے کا موقع ہو یا کھڑے ہو کر، ایسے لوگ اگر اس آیت کریمہ کی تصدیق بھی کریں تو انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مخالفت و انکار کے ساتھ تصدیق قلبی ہر گز مفید نہیں ہے۔ جب خدا نے درود و سلام کو کسی ہیئت خاص کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے لئے بیٹھنے کی قید لگائیں اور کھڑے ہو کر پڑھنے سے انکار کریں؟ جبکہ ہمارا مشرب یہ ہے کہ ہم دونوں ہیئتوں میں سے کسی ہیئت کو نہ فرض کہتے ہیں، نہ واجب نہ حرام بلکہ جس درجہء اطلاق میں حکم الہی ہے اسی درجہ میں اسے رکھتے ہیں۔ دراصل

بحث کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب کوئی کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو حرام کہنے لگتا ہے۔

آیت کے حوالے سے چوتھا نکتہ:

بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے عرض کیا:

لَا نَتَّيَا رَسُولَ اللَّهِ أَحَبُّ
إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا
مِنْ نَفْسِي
حضور! بلاشبہ آپ مجھے ہر چیز
سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی
جان کے۔

اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے یہ سنتے ہی حضرت عمر نے عرض کیا:

وَالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ
الْكِتَابَ لَا أَتَّيَا أَحَبُّ إِلَيَّ
مِنْ نَفْسِي
قسم ہے اس ذات کبریا کی جس نے آپ پر
کتاب اتاری اب آپ میری جان سے بھی
زیادہ محبوب ہیں۔

ارشاد فرمایا اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔ سبحان اللہ ایک ہی بول میں دل کی گرہ کھل گئی۔
اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے حضور انور ﷺ کو اپنی
جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ پھر جسے یہ سعادت نصیب ہے اُسے یہ بتانے کی ضرورت
نہیں ہے کہ درود و سلام میں کس درجہ اہتمام کرنا چاہیے۔

کیونکہ درود و سلام بھی ایک دعا ہے جس کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کے حق میں
خداوند قدوس سے علوئے شان اور رفعت مکان کی دعا کی جاتی ہے۔ اور فطرت انسانی کا دستور یہ
ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنی جان کے لئے دعا کرتا ہے اور جب آنحضرت ﷺ اپنی
جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو اقتضائے فطرت انسانی درود شریف کو اپنی جان کے لئے کی جانے
والی دعا پر بھی مقدم رکھنا چاہئے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو کیا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے یا
وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو ہلاکت اس کا مقدر ہے۔

درود پاک بھیجنے کے مواقع

حضرت فاضل مصنف نے صراحت فرمائی ہے کہ جیسے آنحضرت ﷺ نے نماز کے اوقات معین فرمائے ہیں ویسے ہی درود شریف کے اوقات بھی معین فرمائے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اوقات نماز کا تعین تو اتر سے ثابت ہے اور درود شریف کے اوقات کا تعین اخبار آحاد سے ہے۔ گو اس طرح کی تمام حدیثیں الگ الگ خبر واحد ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کا جائزہ لیا جائے تو بتواتر معنوی یہ بات ضرور ثابت ہو جائے گی کہ درود شریف کی کثرت حضور انور ﷺ کو نہایت پسند ہے۔ علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی موقر کتاب القول البدیع میں درود و سلام کی کثرت کو اہل سنت ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

اب ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں درود شریف کے اوقات کا تعین فرمایا گیا ہے۔

پہلی حدیث بوقت وضو و درود شریف:

محدث طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: لَا وَضُوءَ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یعنی اس شخص کا وضو نہ ہوگا جو وضو کرتے وقت نبی پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں وضو کی نفی سے وضوئے کامل کی نفی مراد ہے۔

دوسری حدیث بحالت نماز درود:

حضرت امام فاکہانی نے اپنی گرانقدر تصنیف الفجر المیر میں حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جو حضور پر درود نہ بھیجے۔

لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَا يُصَلِّيْ
عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اس حدیث میں بھی نماز کی نفی سے مراد نماز کا مل کی نفی مراد ہے۔

تیسری حدیث اختتامِ اذان پر درود:

بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ ساری کتب صحاح میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: جب تم اذان سنو تو جواب میں مؤذن کے کلمات کو دہراؤ۔ پھر جب اذان ختم ہو جائے تو مجھ پر درود پڑھو کہ جو ایک بار درود شریف پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس بار اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ
فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ
صَلُّوا عَلَى فَإِنَّهُ مَنْ
صَلَّى عَلَى وَاحِدَةٍ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

چوتھی حدیث محفل میں درود کی اہمیت:

حضرت علامہ زرقانی نے حضرت ابوسعید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی مجلس میں لوگ بیٹھیں اور اس میں درود شریف نہ پڑھیں تو وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی پچھتائیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ "وَإِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ" جنت میں داخلے کے بعد پچھتاوا اس لئے ہوگا کہ وہ وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ درود شریف پڑھنے پر کیسے کیسے اجر و ثواب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جسے حاکم نے متدرک میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جس میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس مجلس میں لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر

کریں لیکن اپنے نبی پر درود و سلام نہ بھیجیں تو ایسی مجلس ضرور ان کے واسطے نقصان کا باعث ہوگی۔
حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **كَانَ ذَاكَ الْمَجْلِسُ عَلَيْهِمْ ثَرَةٌ**
دلوں میں کچھ بھی خوفِ آخرت ہو تو ان احادیث کی روشنی میں اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو مجالس ذکر میں درود و سلام کا اتنی شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ جیسے ہی لوگ درود و سلام پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے وہ وحشی جانوروں کی طرح مجالس سے بھاگنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان احادیث کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف میلاد کی محافل ہی میں نہیں بلکہ ہر مجلس میں نبی پر درود و سلام پڑھنا دارین کی سعادت ہے۔

پانچویں حدیث بوقت ذکر مصطفیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم درود نہ پڑھنے کی مذمت:
امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:
رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ
عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ
اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

چھٹی حدیث کان بجتے وقت درود شریف پڑھنا:
امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع صغیر میں، ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے اور اس کے بعد یہ الفاظ کہے۔
ذَكَرَ اللَّهُ مَنْ ذَكَرْنِي
اللہ اُسے یاد کرے جس نے خیر کے ساتھ مجھے یاد کیا۔

ساتویں حدیث درود پڑھنے سے بھولی ہوئی چیز یاد آنا:
المواہب اللدنیہ میں حضرت ابو موسیٰ المدینی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث

روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

إِنَّا نَمِيتُكُمْ شَيْئًا فَصَلُّوا
عَلَىٰ تَذَكُّرُوهُ إِنِّشَاءَ اللَّهِ
جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود
پڑھو انشاء اللہ وہ چیز تمہیں درود شریف کی
برکت سے یاد آ جائے گی۔

آٹھویں حدیث جمعہ کے روز درود پڑھنے کی فضیلت:

زاد المعاد میں حضرت اوس ابن اوس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انہوں نے انتقال کیا اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن لوگوں پر بیہوشی طاری ہوگی۔ اس لئے جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ کیونکہ تمہارا درود اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ہمارا درود آپ کے سامنے کیونکر پیش کیا جائے گا؟ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ اس لیے ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہے اور اسے روحانی غذا دی جاتی ہے۔ امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اتنا اضافہ کیا ہے، مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، اس لیے کہ اَوَّلُ مَنْ تَسْأَلُونَ فِي الْقُبْرِ عَنِّي ”قبر میں سب سے پہلے میرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔“

چند مقامات کی اور نشاندہی امام سخاوی علیہ الرحمۃ کے قلم سے

درود شریف پڑھنے کے ان مواقع کے علاوہ حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب القول البدیع میں اسی (۸۰) مواقع اور گنوائے ہیں اور ہر موقعہ کو احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔

ان میں سے خاص خاص مقامات کی ذیل میں نشاندہی کی جاتی ہے۔

﴿۱﴾ تہجد کے لئے اٹھتے وقت ﴿۲﴾ کسی مسجد میں داخل ہونے کے وقت ﴿۳﴾ جب میت کو قبر میں اتارا جائے ﴿۴﴾ جب کعبہ شریف پر نظر پڑے ﴿۵﴾ حجر اسود کا

بوسہ لیتے وقت ﴿۶﴾ عرفات میں دوپہر کے بعد ﴿۷﴾ جب مدینہ کا مقدس شہر نظر آنے لگا ﴿۸﴾ جب حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کا موقعہ ہو ﴿۹﴾ جب سونے کا ارا کریں ﴿۱۰﴾ سفر کے لئے گھر سے نکلنے وقت ﴿۱۱﴾ سواری پر سوار ہوتے وقت ﴿۱۲﴾ جب اپنے گھر میں داخل ہو ﴿۱۳﴾ جب غم، سختی یا کسی مصیبت کا سامنا ہو ﴿۱۴﴾ دعا کے شروع اور اخیر میں ﴿۱۵﴾ جب پاؤں سن ہو جائے ﴿۱۶﴾ جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو ﴿۱۷﴾ جب کو حاجت پیش آ جائے ﴿۱۸﴾ گناہ سے توبہ کرتے وقت ﴿۱۹﴾ جب کسی پر تہمت لگادی اور اس سے پاک ہو ﴿۲۰﴾ ختم قرآن کے بعد ﴿۲۱﴾ جب قلم سے حضور ﷺ کا نام مبارک لکھیں ﴿۲۲﴾ جب دینی کتابوں کے سبق کا آغاز ہو۔

حاصل بحث

ان ساری حدیثوں سے یہ بات تو اتر معنوی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ درود شریف کی کثرت حضور انور ﷺ کو بہت زیادہ پسند ہے اور حضور ﷺ اپنی امت کو درود آخرت میں درود شریف کی لامحدود برکتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں اور مالک کائنات کی خوشی بھی اسی میں ہے کہ ملا اعلیٰ کی طرح زمین کی سلطنت میں بھی درود و سلام کے ملکوتی نعموں کا دھوم ہر وقت مچتی رہے۔

فاضل مصنف کی ایک عبرت آموز نصیحت

اس بحث کے خاتمے پر حضرت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک عبرت آموز نصیحت انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

صرف ایک یا دو بار درود شریف ادائے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت ﷺ بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اَعَاذَنَا اللہ مِن ذٰلِکَ

سلام کے بارے میں بحث

اس عنوان کے ذیل میں فاضل مصنف نے عشق و عقیدت اور علم و فضل کے ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ ان کی خوشبو سے کاغذ کا پیرا ہن تک معطر ہو گیا ہے۔ ان مہکتے ہوئے پھولوں کی روش سے گزرتے ہوئے اہل ایمان کے کیف و سرور کا کیا عالم ہوگا، اسے ہم اپنے قارئین کرام کے باطنی احوال کے حوالہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

سب سے پہلے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سلام کے موضوع پر ان علمی نکات کا مطالعہ کیجئے جن سے بد بختیوں کی ساری گرہیں کھل جائیں گی۔

پہلا نکتہ:

کتاب الشفاء میں حضرت قاضی عیاض کی صراحت کے مطابق اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کے معنی یہ ہیں کہ تم سلامت رہو یا ہم تمہارے فرماں بردار اور راضی برضا ہیں۔

اس اجمال کے بعد اب تفصیل کی طرف آئیے۔

جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں اپنے مخاطب کو یقین دلاتا ہے کہ میری طرف سے تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی لئے مخاطب پر بھی واجب ہے کہ وہ اُن ہی الفاظ میں جواب دے کر اپنی طرف سے بھی اپنے مخاطب کو سلامتی کا یقین دلائے۔

چنانچہ عرب کے بدویوں تک میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی کو سلام کرتے ہیں یا سلام کا جواب دیتے ہیں تو اب اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے اور جب ضرر پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو نہ سلام کرتے ہیں اور نہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سلام دل کے اخلاص و محبت کا ترجمان ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں اب بحث کا یہ رُخ سمجھئے کہ جو امتی نبی پاک ﷺ کو

سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں یقین دلاتا ہے کہ نبی ﷺ کی عزت و حرمت میری

طرف سے بالکل محفوظ ہے۔ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا جس سے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عظمت کو ٹھیس پہنچے۔ اور جو سلام سے انکار کرتا ہے یا سلام کرنے میں پس و پیش کرتا ہے وہ دوسرے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف سے اس کے دل کا ارادہ اچھا نہیں ہے۔

آپ اخلاص کے ساتھ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیں تو یہ نکتہ اور واضح ہو جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتُہٗ
یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ۝
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا
عَلِیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا ۝

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں پس اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جس طرح سلام بھیجنے کا حق ہے۔

غور فرمائیے اس آیت پاک میں اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف صرف درود کی نسبت ہے لیکن مومنین سے درود کا بھی مطالبہ ہے اور سلام کا بھی۔ آپ گہرائی میں اُتریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جس سے خطرہ ہوتا ہے وہیں تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جہاں سرے سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہاں کسی طرح کی پیش بندی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ظاہر ہے کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عزت و حرمت کو نہ اللہ کی طرف سے کوئی خطرہ ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے خطرہ جو کچھ بھی ہے وہ انسانوں کی طرف سے ہے۔ اس لئے درود کے ساتھ ساتھ ان سے سلام کا مطالبہ بھی ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو سلام کر کے تم اس بات کا اعلان کرو کہ تمہاری طرف سے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عزت و حرمت کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔

اب کوئی امتی نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا دل سے جاں نثار ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ نبی کو سلام کرنے سے گریز نہیں کرے گا بلکہ سلام کرنے کے لئے اگر جنگ کی نوبت آگئی تو اس مرحلہ سے بھی وہ گزر جائے گا لیکن نبی کی طرف جن کے دل کے ارادے اچھے نہیں ہیں وہ یا تو سلام کرنے

سے صاف انکار کر دیں گے یا حالات کا دباؤ پڑا تو گریز کا راستہ اختیار کریں گے۔

سلام تو التحیات میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن بالکل آہستہ پڑھا جاتا ہے اس لئے وہاں دل کی بیماریوں کی شناخت بہت مشکل ہے کہ اس نے سلام پڑھایا نہیں؟ لیکن آواز بلند سلام پڑھتے وقت دلوں کی چوری مشکل ہی سے چھپے گی۔ کچھ بعید نہیں کہ آواز بلند سلام کی ترویج میں یہی مصلحت ہمارے ائمہ و اکابر کے پیش نظر ہو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ۔

دوسرا نکتہ:

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سید عالم ﷺ ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) میں تشریف لے گئے۔ یکا یک حضور کی پیشانی سجدہ ریز ہو گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اسی حالت میں حضور ﷺ انتقال تو نہیں فرما گئے۔ کافی دیر کے بعد جب حضور ﷺ نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل امین ابھی میرے پاس حاضر ہوئے تھے۔ انھوں نے خداوند ذوالجلال کی طرف سے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ:

مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ
صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ
عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ
کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت
نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا
میں سلام کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔

(رواہ احمد)

فاضل مصنف اس حدیث کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کس قدر حیرت و مسرت کی بات ہے کہ سلام کرنے والے خدا کے حبیب کو سلام کرتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتا ہے مالک بے نیاز۔ اس سے محبوب و مُجِب کے درمیان اُس غایتِ قرب کا پتہ چلتا ہے جو بندوں کے فہم و ادراک سے ماوراء ہے۔ محبوب و مُجِب کے درمیان ایسا رشتہ وہیں متصور ہے جہاں اپنائیت

نقطہء انتہا پر پہنچ گئی ہو۔ کسی بندے کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند ذوالجلال اسے سلام کرے۔ اپنے نبی ﷺ کی جلالتِ شان پر ثار ہو جانے کی بات ہے کہ ان کے صدقہ میں امت کو کس کس اعزاز سے پروردگار نے نوازا ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ ”خدا سلام کا جواب دیتا ہے“ سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ حضور انور ﷺ بھی بہ نفسِ نفس سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اب نبی ﷺ کو سلام کرنے والے کی سعادت و فیروز بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پر نبی پاک ﷺ بھی سلام بھیجتے ہیں اور خداوند ذوالجلال بھی سلام بھیجتا ہے۔ ان حدیثوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو ”یا نبی سلام علیک“ سے انکار کر کے اپنے آپ کو خدا کے سلام سے بھی محروم رکھتے ہیں اور نبی کے سلام سے بھی۔ فَا عْتَبِرُوا يَا اُولِيَ الْاَبْصَارِ۔

تیسرا نکتہ:

امام احمد، طبرانی، بیہقی، اور بغوی نے یعلیٰ ابن مرہ ثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نبی پاک ﷺ کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ حضور ﷺ نے قیام فرمایا۔ حضور ﷺ خوابِ استراحت میں تھے کہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ایک درخت زمین کو چیرتا پھاڑتا، جھومتا جھامتا آیا اور حضور کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ پر واپس لوٹ گیا۔

جب حضور ﷺ بیدار ہوئے تو ہم لوگوں نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

ہی شَجَرَةٌ اِسْتَاذَنْتُ رَبَّهَا فَاِذْ فَاِذْ لَهَا
 ”یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب
 سے مجھے سلام کرنے کی اجازت طلب کی
 اور اسے اجازت مل گئی“

مقام غور ہے کہ درخت جو نہ ذوی العقول ہے اور نہ احکام شرع کا مکلف ہے وہ نبی پاک ﷺ کے حضور میں سلام پیش کرنے کی اجازت خدا سے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ان کے قریب جا کر۔ اور غالباً یہ اجازت ہی کا ثمرہ ہے کہ اسے زمین شق کرتے ہوئے حاضر بارگاہ ہونے کی قدرت بھی عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں درخت کا چل کر آنا پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں نہیں تھا کہ اُسے نبی ﷺ کا معجزہ قرار دیا جائے۔ بلکہ خود اس درخت کی آرزوئے شوق کی تکمیل کے لئے اسے خدا کی طرف سے یہ قدرت عطا ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے اُن سیاہ بختوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے جو حضور پاک ﷺ کو سلام کرنے میں آنا کافی کرتے ہیں اور سلام سے روکنے کے لئے طرح طرح کا بکھیرا کھڑا کرتے ہیں کہ ایک بے شعور درخت اس سعادت کے حصول کے لئے کس درجہ حساس ہے کہ وہ نبی کو سلام کرنے کے لئے خدا سے توفیق طلب کرتا ہے اور یہ علم و شعور والے بندے ہیں جو خدا کے حکم صریح کے باوجود سلام سے انکار کرتے ہیں۔

سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار

حضرت مصنف کی علمی جلالت کو سلام کیجئے کہ انھوں نے سلام کی اہمیت پر دلائل و براہین کی ایسی فصل لگائی ہے کہ دیدہ شوق سے ملاحظہ کیجئے اور ان کی بہاروں کا لطف اٹھائیے۔
 پہلی دلیل:

﴿نماز میں سلام بطور حکایت نہیں بلکہ انشاء ہے، پر دلائل﴾
 فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ سلام کی کس قدر وقعت ہے کہ عین نماز میں اسے ضروری ٹھہرایا گیا حالانکہ نماز عبادت محضہ ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبود حقیقی کی طرف ہونی چاہئے۔

اگر کہا جاوے کہ وہ سلام جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ اس سے نبی کو خطاب مقصود نہیں بلکہ شب معراج کی حکایت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو اس صورت میں التحیات کا کچھ مطلب ہی نہیں ہوا صرف الفاظ ہی رہ گئے۔

اسی طرح نہ التحیات سے تمام تحیات اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا اعتراف ہوا اور نہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ سے عقیدہ توحید پر شہادت ہوئی۔ حالانکہ جب آنحضرت ﷺ نے التحیات کی تعلیم فرمائی تو یہ نہ کہا کہ شب معراج میں اس طرح کا مخاطبہ ہوا تھا اور بطور حکایت اس کو پڑھنا چاہیے۔ (انوار احمدی، ص ۱۳۶)

اس دعوے پر کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ سے خطاب مقصود ہے، شب معراج کے واقعہ کی نقل مقصود نہیں ہے۔ حضرت مصنف کی یہ پہلی دلیل ہوئی۔ آگے چل کر پھر اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں لیکن جن احادیث میں یعنی اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے ان احادیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ کنز العمال میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

لیکن ان تمام روایات میں سے کسی روایت میں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ وہ سلام بطور حکایت پڑھا جاوے۔ پھر جب حکایت ہونا اس کا ثابت نہ ہوا تو اس کے معنی مقصود بالذات ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ کو بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء کہا جائے گا۔ جیسا کہ شیخ عابد سندھی نے اپنی کتاب طوابع الانوار شرح در مختار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (انوار احمدی، ص ۱۴۷)

دوسری دلیل:

اس دعوے پر کہ التحیات میں یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ سے شبِ معراج کے واقعہ کی حکایت مقصود نہیں ہے بلکہ نمازی بالقصد حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بحالت نماز اپنی طرف سے خطاب کرتا ہے اور انہیں اپنا سلام پیش کرتا ہے، حضرت مصنف کی یہ دوسری دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع شروع میں صحابہ کرام اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ کہا کرو۔ جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام جملہ انبیاء و مرسلین، سارے ملائکہ اور تمام عباد صالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سلام بطور حکایت واقعہ نہیں ہے۔

مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہا علی عِبَادِ اللہِ الصَّالِحِیْنَ میں اگرچہ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بھی شامل ہیں مگر چونکہ یہ سلام حضور کو ضمنی ہوا اور اس طرح کے سلام میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کوئی خصوصیت نہیں رہی اس لئے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے مقام کی عظمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ نمازی حضور کی طرف متوجہ ہو کر خاص خطاب کے ساتھ حضور کو

سلام کرے۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ جیسے السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ میں سلام کا صدور بالقصد ہے اسی طرح السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ میں بھی بالقصد سلام کے ساتھ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم مخاطب ہیں۔ اور تکمیل تحیۃ کے طور پر حضور کے سلام میں وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہ کا بھی اضافہ ہے۔

تیسری دلیل:

حضرت فاضل مصنف اپنے اس دعوے پر کہ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ میں نمازی کی طرف سے حضور کو بالقصد خطاب کر کے سلام پیش کرنا مقصود ہے، واقعہ معراج کی حکایت مقصود نہیں ہے، تیسری دلیل پیش کرتے ہیں۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ کی روایت بتواتر لفظی حدیث متواتر کے درجہ میں ہے اگر اس سے خطاب اور ندا کے معنی مراد نہ لئے جائیں تو حدیث متواتر کے مفہوم میں ایک طرح کا نسخ لازم آ جائے گا۔ اور اصول فقہ کے مطابق ضروری ہے کہ دلیل نسخ بھی ویسے ہی قطعی ہو۔ اور شبہ معراج کا مخاطبہ اگر احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہو جائے جب بھی حدیث متواتر کا نسخ اس سے نہیں ہو سکے گا کیونکہ اس مفہوم کی ساری حدیثیں احاد ہیں ان میں حدیث متواتر جیسی قطعیت نہیں ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد حضرت فاضل مصنف نے ایک علمی نکتہ پیدا کر کے اپنے دعوے کی صحت کو اُس نقطہء انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ اب سوائے تسلیم کے منکرین کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہیں ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

التحیات میں خطاب و ندا کے جو معنی تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کے نسخ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت کیا جائے۔ اور اِذْ لَیْسَ فَلَیْسَ یعنی جب بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر

ثابت نہیں ہے تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ میں نہ اور
خطاب کے معنی کا نسخ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ (انوار احمدی، ص ۱۳۸)

چوتھی دلیل:

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی طرف سے یہ چوتھی دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت کے مطابق جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے صلوٰۃ کا طریقہ ارشاد فرمائیے۔ حضور نے فرمایا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْ مُحَمَّدٍ پڑھا کرو حکم صلوٰۃ کی تعمیل ہو جائے گی۔

امام بیہقی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے سوال میں جس سلام کے جاننے کا ذکر کیا تھا وہ تشہد والا سلام ہے۔ اور انہوں نے اسی سلام کو وَسَلِّمُوا کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ سمجھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد والا سلام خطاب و انشاء کے طور پر تھا حکایت واقعہ کے طور پر نہیں تھا۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کسی حکم کی تعمیل کے لئے انشاء کی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں۔

پانچویں دلیل:

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی یہ پانچویں دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت کے مطابق صحابہ کرام حضور

صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیات ظاہری میں تشہد کے اندر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ خطاب اور ندا کے ساتھ پڑھا کرتے لیکن حضور جان نور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے پردہ فرمایا تو انہوں نے

اُسے بدل دیا اور اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہنے لگے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے بھی بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے۔

ترجمہ: حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حیات ظاہری میں صحابہ کرام التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ پڑھا کرتے تھے لیکن جب حضور نے پردہ کر لیا تو انھوں نے اسے بدل دیا اور اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہنے لگے۔

اِنَّ الصَّحَابَةَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم حَیٌّ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ فَلَمَّا مَاتَ قَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ" (واسنادہ صحیح)

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ صحابہ کرم کے نزدیک تشہد بطور انشاء تھا بطور حکایت نہیں تھا۔ کیونکہ اگر بطور حکایت ہوتا تو حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال شریف کے بعد خطاب اور ندا والے الفاظ کو بدلنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اس مقام پر کسی کو بھی یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ تبدیلی کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال شریف کے بعد انہیں خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے خطاب اور ندا والا صیغہ بدل دیا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ الفاظ بدلنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ صحابہ کرام حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وصال شریف کے بعد پھر خطاب و ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ غایت عشق اور کمال قرب کی وجہ سے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی مفارقت کا صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔

عام صحابہ کے علاوہ خواص بھی بے تابوں کے اضطراب کی اتنی دردناک کیفیت سے دوچار تھے کہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ بعض صحابہ تو اتنے خود رفته ہو گئے تھے کہ اس خبر پر وہ بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ حضور جان نور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اس دنیا سے تشریف

لے گئے۔

یہاں تک کہ کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور ﷺ کے وصال شریف کے بعد جب سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے پہلی اذان دی تو سارے مدینہ میں کہرام برپا ہو گیا اور وہ خود فرط غم سے غش کھا کر گر پڑے۔ کیونکہ جب وہ اذان دیتے وقت اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہِ کہتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے حضور کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انھوں نے اذان دینے سے انکار کر دیا۔ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اصرار کیا تو انھوں نے معذرت کر لی کیونکہ ان کے اندر اس صدمہ کی تاب ضبط نہیں تھی کہ وہ حضور کی طرف اشارہ کریں اور حضور پیش نظر نہ ہوں۔

اور مواہب لدینہ کی روایت کے مطابق ایک صحابی رسول حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، جب انھیں یہ خبر ملی کہ حضور ﷺ کا وصال ہو گیا تو انھوں نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دُعا مانگی

اَللّٰهُمَّ اَنْهَبْ بَصْرِيْ لَا
اَرٰی بَعْدَ حَبِيْبِيْ
يَا اللّٰہ! میری آنکھ کی بینائی زائل کر دے کہ
میں اپنے حبیب محمد ﷺ کے بعد
کسی کا چہرہ نہ دیکھوں

راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی انہوں نے اپنی دعا ختم کی فَسُفَّ بَصْرُهُ اَتَى غَمِيْ فوراً اُن کی بینائی زائل ہو گئی اور وہ مکمل طور پر نابینا ہو گئے۔

احادیث میں آیا ہے کہ آدمی تو آدمی ہیں، حضور انور ﷺ کے فراق کا صدمہ جانوروں پر بھی پڑا۔ چنانچہ حضور پاک کی سواری کا جانور جب اس صدمے کی تاب نہ لاسکا تو ایک کنویں میں گر کر اپنی جان دیدی۔ مقام غور ہے کہ جب جانوروں کا یہ حال ہو تو ان جانبازان خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہوگا جنھیں حضور اکرم ﷺ سارے عالم بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب تھے؟

اس درد انگیز اور المناک کیفیت کا رد عمل تھا کہ صحابہ کرام کے اندر حضور کو خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کی تاب نہیں تھی کیونکہ خطاب اور ندا حضوری کو چاہتا ہے اور اس سے جدائی کا غم تازہ ہوتا تھا اس لئے صحابہ کرام کے سلام میں خطاب اور ندا کے الفاظ بدل دیئے۔

اس کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل کمال رنج و غم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب اور ندا کو ترک کر دیا تھا پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہو گئی تو بسبب تعظیم آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پھر اسی طور پر بعینہ خطاب و ندا پڑھنا شروع کیا جیسا کہ یہ عمل آج تک جاری ہے

(انوار احمدی، صفحہ ۱۵۳)

اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت فاضل مصنف نے تین وجوہات بیان کی ہیں۔

پہلی وجہ:

بروایت متعددہ ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ بن زبیر برسر منبر علی رؤس الاشہاد اپنی اپنی خلافتوں میں التیحات کی تعلیم بلفظ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" دیا کرتے تھے۔ اور یہ کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی پو پوشیدہ رہ جاتی۔ پھر اگر کسی کو خطاب اور ندا میں کلام ہوتا تو ضرور کہہ دیتے۔ کیونکہ صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی واقعہ کو خلاف واقعہ سن کر خاموش رہ جائیں۔ خصوصاً ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے خیال کے مطابق شرک کا اندیشہ ہے۔

(انوار احمدی، صفحہ ۱۵۴)

دوسری وجہ:

خود حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ تابعین کو اسی التحیات کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کی تعلیم ان کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ جیسا کہ خود فتح القدیر میں حضرت ابن ہمام نے اس کی صراحت فرمائی ہے (انوار احمدی، صفحہ ۱۵۷)

تیسری وجہ:

اگر اس تبدیلی میں لحاظ خطاب اور ندا کا تھا تو یہ بسبب قبل انتقال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی موجود تھا اس لیے کہ صحابہ اکثر اپنے اسفار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب بھی ہوتے تھے۔ پس اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حالت غیبت میں التحیات بصیغہ خطاب و ندا نہ پڑھتے ہوں، حالانکہ یہ بات کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔

بلکہ خود حدیث میں یہ تصریح گزری کہ بعد وفات شریف خطاب و ندا کا صیغہ بدلا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ تبدیلی کا سبب ندا و خطاب نہ تھا بلکہ وفات شریف کا صدمہ تھا۔

پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اول تو جملہ صحابہ نے صیغہ بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا، اس کا سبب یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے خطاب و ندا جائز نہیں اور پھر چند روز کے بعد بدلنے والے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق التحیات بصیغہ خطاب و ندا پڑھتے اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔ (انوار احمدی، صفحہ ۱۵۷)

ایک لطیف طنز:

حضرت فاضل مصنف نے ان لوگوں پر جو ندائے یا رسول اللہ کو ناجائز کہتے ہیں ایک

لطیف طنز کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ حصہ انہی کے الفاظ میں پڑھئے:

ندائے غائب کے مسئلہ میں جب اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا
النَّبِیُّ کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس کا جواب
دیتے ہیں کہ یہاں نداء مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے مخاطبہء معراج کی
پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا مخاطبہء معراج والی حدیث کو آپ
مانتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ حدیث مان لی جائے تو اس سے آنحضرت
صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ سے
آگے جانے کی کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین کے نزدیک ثابت نہیں
ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگر نماز کی اتحیات کو مخاطبہء معراج کی حکایت قرار
دیں تو چاہیے کہ محکی عنہ کو بھی اپنے قواعد کے مطابق ثابت کریں یا مان لیں
اور محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں۔ اس کا کیا معنی کہ حکایت
میں تو وہ زور و شور اور محکی عنہ سے بالکل انکار۔ کیا اس کو الف لیلہ کی
حکایت سمجھی ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں؟

(انوار احمدی، ص ۱۶۵)

خلاصہ بحث

خلاصہء بحث کے طور پر فاضل مصنف نے اپنے جو احساسات پیش کئے ہیں وہ پڑھنے
کے قابل ہیں۔ سطر سطر سے محبت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خوشبو اڑ رہی ہے اور لفظ لفظ عشق و ایمان
کے آب حیات میں بھیگا ہوا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

الحاصل ہر مسلمان کو چاہئے کہ نماز میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی
طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے۔ اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی
العبادۃ ہوگا کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے

خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات محسوس کرنی چاہئے کہ جب اس سلام کا مرتبہ ایسا ہوا کہ عبادت محضہ یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہئے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہئے۔

(انوار احمدی، ص ۱۶۵)

اس کے بعد یہ عبارت بھی جذبہ عقیدت میں سرشار ہو کر پڑھئے۔ سلام کے آداب ہاتھ ہوتے ارشاد فرماتے ہیں:

الغرض جب کسی خاص وقت میں سلام عرض کرے تو چاہئے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہو، اور دست بستہ ہو کر عرض کرے السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا رَسُولَ اللَّهِ، السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا سَيِّدَنَا سَيِّدَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے جن سے حضرت کی عظمت معلوم ہو۔ (انوار احمدی، ص ۱۶۶)

ایک اعتراض اور اس کا روح پرور جواب

کھڑے ہو کر سلام پیش کرنے کے سلسلے میں منکرین کے اعتراضات ڈھکے چھپے نہیں کہ انہیں کوئی خاص اہمیت دی جائے۔ ایک ہی بات بار بار دہرائی جاتی ہے لیکن فاضل مصنف ان اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں ان میں فکر و نظر اور علم و تحقیق کی جو ندرت ہے، انہیں ہٹے اور سرد دھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام عبادت کے مشابہہ ہے اس لئے وہ جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہو تو مشابہہ بالعبادۃ میں کیونکر جائز نہیں ہوگا؟ (انوار احمدی، ص ۱۶۶)

قیام تعظیمی کی بحث

حضرت فاضل مصنف نے قیام تعظیمی کے مسئلہ پر نہایت طویل بحث فرمائی ہے موصوف نے اُن ساری حدیثوں کا بھی جائزہ لیا ہے جن میں قیام کی ممانعت آئی ہے اور شرح واحادیث کی روشنی میں ان کی صحیح مراد متعین کرتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان حدیثوں میں مطلق قیام کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اُس قیام خاص کی ممانعت ہے جو عجمی بادشاہوں کے دربار میں رائج تھا کہ بادشاہ بیٹھا رہتا اور لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔

یا پھر اس قیام کی ممانعت ہے جو کسی کی تعظیم کے لئے اس کی خواہش پر کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت موصوف نے قیام تعظیمی کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

قیام تعظیمی کی پہلی دلیل:

بخاری شریف کی مشہور حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے قبیلہ بنو قریظہ نے جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اپنا حکم مان لیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلوایا ابھی وہ اپنی سواری ہی پر تھے کہ حضور نے انصار کو حکم دیا کہ قَوْمُوا اِلٰی سَيْدِ لَكُمْ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس حدیث میں نہایت صراحت سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت سعد زخمی تھے اس لئے حضور کا منشا یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر انہیں سواری سے اتار لیں اس لئے اس قیام سے قیام تعظیمی نہیں ثابت ہوتا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے کا حکم

سردار کی نسبت کے ساتھ ہے اس لئے یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کھڑے ہونے کا حکم اظہار تعظیم کے لئے تھا اور اسی کا نام قیام تعظیمی ہے۔

قیام تعظیمی کی دوسری دلیل:

اس حدیث کو حضرت ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے رضائی باپ یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر تشریف لائے تو حضور نے انہیں بٹھانے کے لئے اپنی چادر شریف کا ایک کونہ بچھا دیا۔ پھر حضور کی ماں تشریف لائیں تو ان کے لئے دوسرا کونہ بچھایا۔ پھر اخیر میں رضائی بھائی تشریف لائے تو حضور کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔ اس حدیث سے دوسرے کے لئے خود حضور کا قیام ثابت ہے۔

اس حدیث کے جواب میں منکرین قیام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رضائی بھائی کے لئے حضور کا قیام اکرام کے لئے نہیں تھا بلکہ جگہ بنانے کے لئے تھا۔ کیونکہ حضور اگر اکرام کے لیے قیام فرماتے تو ماں باپ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اولاً اس حدیث میں ان کے لئے قیام کی نفی نہیں ہے اور عدم ذکر سے عدم قیام کا ثبوت نہیں ہوتا دوسرا یہ کہ بٹھانے کے لئے اپنی چادر بچھا دینا ان کے اکرام کے لئے بہت کافی تھا۔ اور رضائی بھائی کے سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ قَامَ فَأَجْلَسَ بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی حضور کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے انھیں بٹھایا۔ اگر جگہ کی قلت کی وجہ سے حضور کا قیام ہوتا تو حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ حضور کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر انہیں بٹھایا۔ دوسرا یہ کہ جگہ بنانے کے لئے لھسک جانا کافی تھا کھڑے ہونے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

قیام تعظیمی کی تیسری دلیل:

فتح مکہ کے دن ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ خوف کی وجہ سے یمن کی طرف آگ گئے تھے۔ اسی حالت میں انہیں خدا نے توفیق دی اور وہ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ان کا

اہلیہ انھیں اپنے ہمراہ لے کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جیسے ہی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انھیں دیکھا جذبہ مسرت میں کھڑے ہو گئے اور ان کا استقبال کیا۔

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت جعفر طیار رَضِیَ اللہُ عَنْہُ، جب حبشہ سے واپس تشریف لائے تو حضور نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور فرمایا کہ میں نہیں بتا سکتا کہ جعفر کے آنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔

اسی طرح کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور کے منہ بولے بیٹے حضرت زید ابن حارثہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت حضور میرے حجرے میں تشریف رکھتے تھے، میں نے دیکھا کہ حضور انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور انھیں گلے سے لگایا۔

ان تینوں حدیثوں میں دوسروں کے لئے خود حضور کا قیام کرنا ثابت ہوا۔ اور اس بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہے کہ نہ صرف یہ کہ دوسرے کے لئے قیام کرنا جائز ہے بلکہ سنت رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم بھی ہے۔

قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل:

حضرت ابو داؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے یہ حدیث نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم جب ہم لوگوں کے ساتھ بات کرتے تھے اور سلسلہ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جب حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اپنے دولت کدے میں داخل نہ ہو جاتے۔

اس حدیث سے حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے لئے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا ثابت ہو گیا۔

قیام تعظیمی کی پانچویں دلیل:

اس حدیث کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابو داؤد، ترمذی اور

حاکم نے روایت کی ہے وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ زہر رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور کے پاس تشریف لاتی تھیں تو حضور انور ﷺ ان کے لئے قیام فرماتے تھے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهَا حَتَّى يُجْلِسَهَا فِي مَكَانِهِ
یعنی حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے
ان کی پیشانی چومتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر
اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔

اس حدیث سے بھی دوسروں کے لئے حضور ﷺ کا قیام ثابت ہو گیا۔
منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لئے
حضور ﷺ کا قیام اکرام کے طور پر نہیں تھا بلکہ جگہ کی تنگی تھی اس لئے جگہ بنانے کے لئے
تھا۔ فاضل مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جگہ بنانے کے لئے کھڑے ہونے کی ضرورت
نہیں تھی صرف کھسک جانا کافی تھا۔ اور اگر جگہ اتنی تنگ تھی کہ دو آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی تو
اس سے لازم آتا ہے کہ حضور انہیں بٹھا کر باہر چلے جاتے ہوں حالانکہ کسی حدیث میں ایسی
روایت نہیں ملتی۔

اس مقام پر فاضل مصنف نے امام بیہقی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ
الْقِيَامُ عَلَى وَجْهِ الْأَكْرَامِ
جَائِزٌ كَقِيَامِ الْأَنْصَارِ
لِسَعْدٍ وَ قِيَامِ طَلْحَةَ لِكُعْبِ
یعنی کسی کے اکرام و تعظیم کے لئے قیام
کرنا جائز ہے جیسے انصار کا قیام حضرت
سعد کے لئے اور حضرت طلحہ کا قیام
حضرت کعب کے لئے۔

قیام تعظیمی کی چھٹی دلیل:

حضرت ابوداؤد کی یہ حدیث ہے جسے انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ

عنها سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اٹھنے بیٹھنے، بات چیت اور اپنی جملہ عادات و اطوار میں حضور ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں جب حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ حضور ﷺ کے لئے تعظیماً کھڑی ہو جاتی تھیں اور حضور کے دست مبارک کا بوسہ لیتی تھیں اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔ اس حدیث کی روشنی میں حضور کے لئے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قیام تعظیماً ایک آدھ بار کا نہیں تھا بلکہ پوری زندگی ان کا معمول ہی یہ تھا۔ پھر یہ بات بھی گہرائی میں اتر کر سوچنے کی ہے کہ اگر ان کا یہ قیام تعظیماً حضور ﷺ کے نزدیک ناجائز ہوتا تو حضور ﷺ اس فعل سے انہیں یقیناً روک دیتے۔ لیکن جب حضور ﷺ نے اپنے قیام تعظیماً سے انہیں نہیں روکا تو چودھویں صدی کے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں حضور کے قیام تعظیماً سے روکیں؟

قیام تعظیماً کی ساتویں دلیل:

یہ حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے امام طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال میں اس کی صراحت موجود ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنی جگہ سے اپنے بھائی کے لئے اٹھے مگر بنو ہاشم دوسرے کے لئے نہ اٹھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں يَقُومُ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ إِلَّا خِيَهُ إِلَّا بَنُو هَاشِمٍ لَا يَقُومُونَ لَأَحَدٍ اس حدیث سے دوسرے کے لئے قیام تعظیماً کا نہ صرف جواز ثابت ہوا بلکہ استحباب بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے۔

اور علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو قیام کرنا واجب ہے۔ ان کے فتوے کی عبارت یہ ہے اِنْ تَرَكَهٗ اَلَا تَصَارَ عَلَمًا عَلٰی الْقَطِيعَةِ وَ وَقُوعِ الْفِتْنَةِ فَيَجِبُ دَفْعًا لِذَلِكَ ۝

قیام تعظیسی کی آٹھویں دلیل:

اس حدیث کی بخاری، مسلم، امام احمد، نسائی اور ابوداؤد نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا لَهَا جَبْتُمْ جَنَازَهُ دِيكُوهَا تَوَاسَ كَلْنِ كُھڑے ہو جاؤ۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد نسائی اور ترمذی نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رَأَيْتُمُ الْجَنَازَةَ جَبْتُمْ كَوْنِي جَنَازَهُ دِيكُوهَا تَوَاسَ كَلْنِ كُھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ اوجھل نہ ہو جائے یا زمین پر اتار کر رکھ نہ دیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی جنازے کے لئے قیام کا حکم صراحت کے ساتھ ثابت ہو گیا ہے۔

قیام تعظیسی کی نویں دلیل:

یہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم، اور امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت سہل ابن خفیف اور حضرت سعد ابن قیس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا سے روایت کی ہے۔

یہ حضرات بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ جنازہ غیر مسلم کا ہے۔ ہم نے انہیں جواب دیا کہ ایک بار حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے کسی نے

عرض کیا کہ حضور! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ وہ جان نہیں ہے؟
اس حدیث کو ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب منہجی الاخیار میں نقل کیا ہے۔

قیام تعظیمی کی دسویں دلیل:

طبرانی اور کنز العمال میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ
حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے سامنے سے کوئی جنازہ گزرے تو اس کے لئے کھڑے ہو
جاؤ اور یہ قیام ان فرشتوں کے لئے ہے جو اس جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

اس حدیث سے نہایت صراحت کے ساتھ فرشتوں کے لئے قیام تعظیمی ثابت ہو گیا
اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قیام تعظیمی کے لئے دیکھنا ضروری نہیں ہے بغیر دیکھے بھی کسی کے لئے
قیام کیا جاسکتا ہے۔ یہیں سے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا جو قیام و سلام کے موقعہ پر ہم سے کیا
جاتا ہے کہ کیا تم لوگ حضور ﷺ کو دیکھتے ہو جو ان کے لئے قیام کرتے ہو؟

پچھلے صفحات میں جنازے کے لئے قیام کرنے کی جو حدیثیں گزری ہیں اس حدیث
سے اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہو گئی کہ قیام کا حکم ان فرشتوں کی تعظیم کے لئے ہے جو جنازہ
کے ساتھ چلتے ہیں۔

فاضل مصنف کی ایک ایمان افروز عبارت

قیام تعظیمی کے ثبوت میں یہ ساری حدیثیں پیش کرنے کے بعد حضرت مصنف نتیجے
کے طور پر تحریر فرماتے ہیں:

اس تقریر سے کئی قیام شرعاً ثابت ہو گئے۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت
ﷺ پر سلام عرض کرتے وقت کھڑے رہنے میں تشبیہ بالعبادۃ ہے
اور وہ جائز نہیں۔ بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضروری ہوا تو نبی
پاک ﷺ کے لئے بطریق اولیٰ ضرور ہوگا۔ (انوار احمدی، ص ۱۷۸)

قرآن میں منصب رسالت کی تعظیم کا حکم

فکر انگیز اور بصیرت افروز دلائل کے ساتھ قیام تعظیمی کے جواز کی بحث مکمل کر لینے کے بعد فاضل مصنف نے رسالت کی تعظیم و ادب کے موضوع پر عشق و عقیدت اور ایمان و عرفان کے جوگل بوٹے کھلائے ہیں ان کی خوشبو سے اپنی مشام جان (دماغ) کو معطر کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

چند آیات و احادیث و آثار یہاں لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ لیکن پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی ادب کا فعل صادر نہیں ہوتا اس لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی عظمت کو مختلف پیرایے میں بیان فرمایا ہے۔ (انوار احمدی، ص ۱۷۸)

قرآن حکیم میں جن آیتوں کے ذریعہ اہل ایمان کو تعظیم نبی کا صریح حکم دیا گیا ہے وہ دو ہیں۔

پہلی آیت:

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تا کہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس رسول کی تعظیم و توقیر بجا لاؤ اور صبح و شام خدا کی تسبیح و تقدیس کرو۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَ
مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا تَتُوبُونَ
لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعْزِرُوهُ وَ
تُقِرُّوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً
أَوْ

اس آیت کریمہ میں رسول کو بھیجنے کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں:

- ☆ پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔
- ☆ دوسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس رسول کی تعظیم و توقیر بجا لائیں۔
- ☆ تیسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس کریں۔

گہری نظر سے اس آیت کریمہ کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسول کی تعظیم و توقیر کوئی سطحی اور ضمنی چیز نہیں ہے بلکہ جس طرح ایمان باللہ والرسول اور عبادت خداوندی رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے اسی طرح رسول کی تعظیم و توقیر بھی بعثت رسول کا مقصود اعلیٰ ہے لیکن کس قدر حسرت و افسوس کی بات ہے کہ لوگ عبادت پر تو بہت زیادہ زور دیتے ہیں لیکن رسول کی تعظیم و توقیر کی کوئی اہمیت نہیں محسوس کرتے۔ حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے تو آیت کریمہ میں ایمان کے بعد رسول کی تعظیم و توقیر ہی کا درجہ ہے۔ عبادت تو یہاں بالکل تیسرے نمبر پر ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت کریمہ میں رسول کی تعظیم و توقیر کے لئے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ تعظیم و توقیر کا حکم ہم کس طرح بجالائیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رسول کی عزت و تکریم کے اظہار کے لئے قیامت تک جتنے بھی جائز طریقے ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب اس مامور بہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اب کسی بھی طریقہ تعظیم کے لئے دلیل خاص کا مطالبہ کرنا قرآن فہمی کے اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ نوٹ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

آیۃ شریفہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعظیم و توقیر آپ کی بعثت مبارکہ کا مقصود اصلی ہے جسے حق تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت بیان فرمایا ہے۔ (انوار احمدی، ص ۱۷۹)

دوسری آیت کریمہ:

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَغَرَّوْهُ
وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ
الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ، أُولَٰئِكَ
هُمْ الْمُقْلِحُونَ ۝

ترجمہ: پس جو لوگ نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی، اور ان کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نجات و فلاح پانے والے ہیں

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعظیم کے نجات ممکن نہیں ہے کیونکہ اہل بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب اُولَئِکَ ہُمْ الْمُفْلِحُونَ کی حصر کے لئے ہے۔ یعنی رستگاری اور نجات خاص انہی لوگوں کے لئے ہے جن میں یہ صفات موجود ہیں۔

اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی صحابہ کے دلوں پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ باوجود اس خلقِ عظیم کے جس سے جانی دشمن حلقہ بگوش اور وحشی صفت بیگانے بھی مانوس ہو گئے اور باوجود کمال عشق و محبت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرہ مبارک کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اور کسی میں جرات نہ تھی کہ کوئی بات یا مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔

(انوار احمدی، ص ۱۸۰)

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں میں نہایت اہتمام و صراحت کے ساتھ تعظیم رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کی بے شمار آیتیں ہیں جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ رب العزۃ کی جناب میں رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا مرتبہ کیا ہے؟ اور خداوند ذوالجلال نے ان کی رفعت شان کا کس درجہ اہتمام فرمایا ہے اور اس حقیقت کو تو قرآن کا ہر صفحہ بے نقاب کرتا ہے کہ اللہ کی رضا رسول کی مرضی کے ساتھ منسلک ہے اور رحمت و تقرب کا دروازہ ان لوگوں پر ہمیشہ کے لئے مقفل ہے جو رسول کی طرف سے اپنے دلوں میں کدورت یا ہمسری و سرکشی کا شائبہ بھی رکھتے ہیں۔

اس دعوے پر فاضل مصنف نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے اتنا شاندار استدلال فرمایا ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد ہر صحت مند دل عشق و عقیدت کے سوز و گداز اور کیف و سرور کی لذتوں میں ڈوب جاتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ہر آیت کے ذیل میں فاضل مصنف نے جو علمی نکتے ارشاد

فرمائے ہیں وہ حرز جاں بنالینے کے قابل ہیں۔ اب دل کے اخلاص اور دیدہ شوق کی طہارت کے ساتھ ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

تیسری آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ اور ان سے اونچی آواز میں اس طرح بات نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال حبط (ضائع) ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

﴿ تشریح ﴾

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب چند صحابہ کرام حضور ﷺ کے سامنے چلا چلا کر بات کر رہے تھے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ اب میں حضور ﷺ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی شخص راز کی بات کرتا ہے۔

اسی آیت کریمہ کے زیر اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے اتنی دھمی آواز میں بات کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔

اور حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ پر تو اس آیت کریمہ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ شدت اضطراب سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہ اپنے پاس آنے جانے والوں سے کہتے تھے کہ چونکہ خلقی طور پر میری آواز بلند ہے اس لئے میری ہی آواز حضور کی آواز پر بلند ہوئی

ہے۔ اب میرے سارے اعمال حبط (ضائع) ہو گئے اور میں جہنم کا مستحق ہو گیا۔

اس غم میں کئی دن تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے یہاں تک کہ ایک دن خود حضور جان نور ﷺ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ تفتیش حال کے لئے جب صحابہ کرام اُن کے گھر گئے تو انہوں نے بتایا کہ میری ہی آواز حضور ﷺ کی آواز پر بلند ہوتی تھی اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے اب میرے سارے اعمال حبط ہو گئے اور اب میرا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہے؟ حضور ﷺ کے سامنے جب لوگوں نے یہ سارا قصہ بیان کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ کی بشارت کے مطابق جنگ یمامہ میں انہوں نے منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ظاہری طور پر بھی جنت کا استحقاق حاصل کر لیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں اپنے پاس بلایا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم دنیا میں خیر و فلاح کی زندگی گزارو اور خدا کی راہ میں شہید کیے جاؤ۔ اور جنت کا دائمی عیش تمہیں گلے لگائے؟ انہوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ دل کی پوری بشارت کے ساتھ میں اس پر راضی ہوں۔

ب اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے:

اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرت الہی تھا کہ اپنے حبیب کریم ﷺ کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

فاضل مصنف کے تبصرے کا یہ آخری حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

اسی وجہ سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الہی جوش میں آ جائے۔ پھر جب آنحضرت ﷺ اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا غیرتِ کبریائی میں کوئی فرق آ گیا؟ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَٰلِكَ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفاتِ الہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔ پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیتِ کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مودب رہے جیسے صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم ﷺ کا ہمیشہ حامی ہے۔ (انوارِ احمدی، ص ۲۰۶)

چوتھی آیتِ کریمہ:

إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ
اللَّهِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ
لِتَتَّقُوا لَّهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ۝

ترجمہ: بے شک جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں دھیمی آواز سے

بات کرتے ہیں انہی لوگوں کے دلوں کو خدائے کردگار نے تقویٰ کے لئے منتخب کر لیا ہے انہی لوگوں کے لئے مغفرت و بخشش اور اجرِ عظیم ہے۔

﴿ تشریح ﴾

اس آیتِ کریمہ میں دل کا تقویٰ خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی کے متوازی دل کا

مرض ہے جس کا تذکرہ قرآن نے منافقین کے بارے میں ان لفظوں میں کیا ہے۔

وَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ اور انکے دلوں میں مرض ہے پھر اللہ تعالیٰ ان
فَزَالَهُمْ اللَّهُ مَرَضًا کے مرض بڑھاتا رہتا ہے۔

یہ بات اگر سمجھ لی جائے کہ دل کا مرض کیا ہے اور وہ بڑھتا کس طرح ہے تو دل کا تقویٰ
بھی سمجھ میں آ جائے گا۔

منافقین کی اس ناپاک سرشت سے ساری دنیا واقف ہے کہ وہ ایک طرف اپنے آپ
کو مسلمان بھی کہتے تھے نماز میں بھی شریک ہوتے تھے اور دوسری طرف رسول ﷺ کے
خلاف دل میں کینہ بھی رکھتے تھے۔ اور دشمنوں سے مل کر ان کے خلاف طرح طرح کی سازش بھی
رچاتے تھے۔ اسی باطنی خبث کا اثر تھا کہ حضور ﷺ کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ خوشی
مناتے اور جب حضور کی جلالت شان، اور فتح و کامرانی کی کوئی بات ظاہر ہوتی تو وہ جلن کی آگ
میں سلگنے لگتے۔

رسول کی عظمتوں سے جلنا اور ان کی رفعت شان کے اظہار پر سلگنا، یہی ان کے دل کا
مرض تھا۔ اور جب ان کے دل کی خواہش کے خلاف خدا کی طرف سے کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا یا
کوئی ایسی آیت اترتی جس سے حضور کی شان و شوکت میں چار چاند لگ جاتے تو ان کے چہروں پر
ذلت و نامرادی کی پھٹکار برسی اور اندر ہی اندر وہ سلگنے لگتے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے مرض کے
بڑھنے سے تعبیر کیا ہے۔

اب اس کے برعکس حضور ﷺ کی عظمت شان کے اظہار پر ایک سچے مسلمان
کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے اسی کا نام دل کا تقویٰ ہے۔ دل کا تقویٰ اگرچہ ماتھے کی آنکھ سے نظر
آنے کی چیز نہیں ہے لیکن حرکات و سکنات، نقوش و الفاظ، اور گفتار و کردار سے محسوس کرنے کی چیز
ضرور ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں ایک صحت مند دل اور ایک بیمار دل کے درمیان جو ہری فرق
یہی ہے کہ ایک صحت مند دل حضور ﷺ کی تعریف سن کر فرط مسرت میں اچھلنے لگتا ہے
اور اپنی پاکیزہ تمناؤں کے ساتھ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع اسے

بار بار میسر آئیں۔ جبکہ بیمار دل، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی تعریف سُن کر اور بیمار پڑ جاتا ہے اور ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع کبھی وجود میں نہ آئیں۔
چشم بصیرت حاصل ہو تو دونوں طرح کی یہ کیفیت آپ کو اپنے پڑوس ہی میں نظر آجائے گی۔

اتنی تمہید کے بعد اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف کی اس مہکتی ہوئی عبارت سے اپنا دماغ معطر کیجئے:

سبحان اللہ! کس قدر رحمت و فضل کا دریا موجزن ہے ادب والوں کے لئے
کہ اگرچہ گنہگار ہوں ان کے لئے مغفرت کی بشارت بھی ہے اور بہت
بڑے اجر و ثواب کا وعدہ بھی۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و نا کس کو نصیب
نہیں ہو سکتا۔ یہ دولت انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جن کے قلوب
امتحان الہی میں پورے اتریں۔ (انوار احمدی، ص ۲۰۶)

پانچویں آیت:

ترجمہ: بے شک جو لوگ آپ کو حجروں
کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر
لوگ بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ لوگ صبر سے
کام لیتے یہاں تک کہ آپ خود ان کی طرف
تشریف لے جاتے تو ان کے حق میں کہیں
بہتر تھا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ
مِنْ وَّرَاءِ الْحُجُرٰتِ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَ
لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتٰى
تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا
لَّهُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

﴿ تشریح ﴾

اس آیت کریمہ میں خاص طور پر دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ پیغمبر کا منصب ہے کہ بندوں کو خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کے آداب سکھلائے لیکن یہاں الطاف کریمانہ کا یہ جلوہ ماتھے کی آنکھوں سے دیکھئے کہ معبود حقیقی اپنے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے آداب خود اپنے بندوں کو سکھلا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہے کہ ایسا بندہ ہماری ہی طرح ایک نادان، بے خبر اور بے وقعت بندہ ہوگا؟ معاذ اللہ!

ذرا برابر بھی کسی کے دماغ میں جو ہر لطیف کا حصہ ہے تو اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ وہ بندہ جس پائے کا رسول ہے یقیناً اُسی پائے کا محبوب بھی ہے۔ کیونکہ اس طرح کا معاملہ حاکم و بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا پھر اپنے کسی خاص الخاص محبوب کے ساتھ! تیسری کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن صرف خدا کی عبادت کا ڈھنگ بتاتا ہے رسول ﷺ کی تکریم و آداب کے طریقے بدعتیوں نے نکالے ہیں، وہ عبرتناک قسم کی غلط فہمی یا بددیانتی میں مبتلا ہے؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ دل کی کیفیت کے اعتبار سے جرم کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں اگر کوئی جرم عداوت سرزد ہوا ہے تو اس کی سزا سخت ہوتی ہے اور سہوا ہوا ہے تو سزا میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ قصد و بلا قصد کی بنیاد پر سزاؤں کا یہ فرق قانون کی نظر میں بھی مسلم ہے۔

یہاں صورت حال بتا رہی ہے کہ حجروں کے پیچھے سے رسول ﷺ کو پکارنے والے اہانت کی نیت سے نہیں پکار رہے تھے بلکہ بارگاہ رسالت ﷺ کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی۔ دلوں کا حال کوئی جانے نہ جانے پر اللہ تو ضرور جانتا ہے۔ اسی لئے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے نرم لب و لہجہ میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کسی کو بے عقل یا بے وقوف کہہ دینا کوئی بڑی مذمت نہیں ہے اور پھر اسی کے بعد ہی واللہ غفور رحیم کا مرہم تسکین کیا ان لفظوں کا کرب کسی کو محسوس ہونے دے گا؟

لیکن اب آئیے تصویر کے دوسرے رخ کا بھی مطالعہ کریں۔ اسی قرآن میں کچھ گستاخ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی حرمت کو دیدہ و دانستہ اہانت کے کلمات سے مجروح کیا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن کا رویہ اتنا سخت ہے کہ روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پوری سورہ لہب خدا کے قہر و جلال کی ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے جس میں ابولہب آج تک سلگ رہا ہے۔ کفر و شرک کا جرم تو اس نے اپنی زندگی میں ہزاروں بار کیا ہوگا پھر بھی مشیت الہی کی غیرت جوش میں نہیں آئی لیکن رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ گستاخی کا ایک جرم سرزد ہوا تو سارا جہنم ابل پڑا اس پر بھی اور اس کی جو روپر بھی۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجرم کے ساتھ ساتھ مجرم کے حامیوں اور ساتھیوں کی بھی پکڑ ہوتی ہے۔

آپ اپنا مطالعہ جاری رکھیں گے تو آپ کو اسی قرآن میں وہ گستاخ بھی ملے گا جس کے دس عیوب قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں، یہاں تک کہ اخیر میں اس کے نسب کا پول بھی کھول دیا ہے۔ پھر جس منہ سے اس نے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شان میں گستاخی کا جملہ نکالا تھا اسے سُر کی تھوٹنی قرار دے کر اس پر دائمی عذاب کی مہر بھی لگا دی ہے۔ کتاب کے ضخیم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس طرح کے بے شمار مقامات میری نظر میں تھے۔ اس لئے اتنے ہی پر بس کر رہے ہوئے، اب میں پھر آپ کی گراں قدر توجہ حضرت فاضل مصنف کے ان ایمان افروز ارشادات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس آیت کریمہ کے ذیل میں انہوں نے ثبت فرمائے ہیں ارشاد فرماتے ہیں:

اس آیت شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کر کے انہیں پکارنا شروع کیا ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو مجنون کہا گیا یا کوئی اور بات ہے؟

یہ کسی کتاب میں بھی نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانے تھے جو اتفاق کر کے آئے

اور گڑ بڑ کر کے چلے گئے بلکہ کتب احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبر لوگ منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں باوجود اس کے بے وقوف بنائے جا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشا اس کا کچھ اور ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کی عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی اس لئے کہ یہ تو حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔ الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے ثابت ہوگئی۔ (انوار احمدی، ص ۲۰۸)

چھٹی آیت:

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا
تم اپنے درمیان رسول کے پکارنے کو ایسا
مت ٹھہراؤ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو
پکارتے ہو۔

﴿ تشریح ﴾

اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں بہا کلمات ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت موصوف نے اپنے علم و فضل کے کیسے کیسے جواہرات بکھیرے ہیں۔ تفسیر درمنثور کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں:

بعض لوگ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح

پکارنے سے لوگوں کو منع کر دیا اور تاکید فرمائی کہ کامل عجز و نیاز کے ساتھ
یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر انہیں پکارا کریں جس سے عظمت و شرف اور
تعظیم و توقیر آنحضرت ﷺ کی ظاہر ہو۔

حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے حبیب کریم
ﷺ کو نام لے کر پکارے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے
بھی تمام قرآن شریف میں حضرت کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہیں
فرمایا۔ بلکہ جب بھی خطاب کیا یا اَیُّهَا النَّبِیُّ وغیرہ صفات کمالیہ کے
ساتھ انہیں خطاب کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت
آنحضرت ﷺ کی لوگوں پر ظاہر کرنا حق تعالیٰ کو منظور
ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیائے اولوالعزم کو ان کی جلالت
شان کے باوجود نام ہی کے ساتھ خطاب فرماتا ہے۔

(انوار احمدی، ص ۲۰۸)

اس کے بعد حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک عجیب
غریب نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک
طرح کا التزام نعت نبوی ﷺ کا رکھا گیا ہے۔ اور اس کی
تفصیل یہ ہے کہ پکارنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کو پکارا جائے وہ اپنی
ذات کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔ اب اگر کسی کو صرف اس کے نام کے
ساتھ پکارا جائے تو اس سے صرف اتنا ہی مقصد حاصل ہو گا کہ وہ اپنی
ذات کے ساتھ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے گا لیکن اگر اس
کے کسی وصف خاص کے ساتھ پکارا جائے تو توجہ کے ساتھ ساتھ اس کی

عظمت و تعریف کا اظہار بھی ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارنے سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوتا ہے کہ جسے پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے وہیں دوسرا مقصد یہ بھی حاصل ہوگا کہ ہر پکار میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نبوت و رسالت کا بھی اظہار ہوتا رہے گا جو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے جملہ اوصاف میں سب سے بڑا وصف ہے بلکہ جملہ اوصاف و کمالات کا مدار وہی ہے۔ (انوار احمدی، ص ۲۰۹)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک اعتراض اور اس کے

جواب میں نہایت شاندار بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

یہاں ایک اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ ابوامامہ ابن سہیل سے جو حدیث نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، امام احمد ابن حنبل، حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ اُس میں یہ واقعہ نقل ہوا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تخت خلافت پر جلوہ فرما تھے، ایک صاحب ان کی خدمت میں کسی ضرورت سے ہر روز حاضر ہوتے تھے لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

ایک دن انہوں نے یہ واقعہ حضرت عثمان ابن حذیف سے بیان کیا۔ انہوں نے مقصد کی کامیابی کے لئے انہیں ایک عمل بتایا اور کہا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو اور دعا کے بعد اپنا مقصد عرض کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَ اَتُوْجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ
مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نَبِیِّ
الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتُوْجَّہُ بِکَ اِلَیْ

رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لَتُقْضٰی لِیْ فَشَقَّعْهُ
فِیْ

اس دُعا کا ترجمہ یہ ہے:

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے پیارے نبی محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنی حاجت کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے۔ تو آپ میرے بارے میں خدا کے حضور سفارش کر دیجئے۔

چنانچہ انھوں نے اسی ترکیب کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے دن حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ ان تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ دربان نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ انہیں اپنی مسند پر بٹھایا اور فوراً ان کی حاجت پوری کر دی۔ اور فرمایا کہ آئندہ تمہیں کسی طرح کی حاجت پیش آئے تو سیدھے میرے پاس آ جایا کرو۔

اُسی دن وہ صاحب حضرت عثمان ابن حُنیف رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے پاس گئے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی سفارش سے آج حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے میری حاجت پوری فرمادی اور وہ میرے اوپر اتنے مہربان ہو گئے کہ آئندہ کے لئے بھی میرا رستہ کھل گیا۔

حضرت عثمان ابن حُنیف رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے فرمایا کہ میری تو اُن سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے اس لئے سفارش کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سارا اثر اسی نماز کا ہے جس کی ترکیب میں نے آپ کو بتائی تھی۔

کیونکہ حضور پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے عہد مبارک میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ

میرے لئے دُعا فرمائیے کہ میں بیٹا ہو جاؤں۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اسے اسی نماز کی تلقین فرمائی تھی۔ جیسے ہی اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا مانگی ابھی اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اسی وقت سے حاجت برآری کے لئے یہ نماز مسلمانوں میں رائج ہو گئی۔

حضرت امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب القول البدیع میں اس نماز کے بارے میں یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد جو دُعا کی جاتی ہے اس میں لفظ محمد کے ساتھ حضور کو ندا کیا جاتا ہے جبکہ قرآن حکیم کی رو سے نام کے ساتھ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو پکارنے کی ممانعت ہے۔ انھوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ اس نماز اور دعا کی تعلیم خود حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دی ہے اس لئے دعا کے الفاظ میں کسی طرح کا رد و بدل نہیں کرنا چاہیے۔ اور اس لئے بھی وہ مناسب نہیں ہے کہ خود نماز کی تاثیر کے ساتھ ان الفاظ کا گہرا تعلق ہے کہ یہ الفاظ حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں۔ (انوار احمدی، ص ۲۵۵)

ساتویں آیت:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا
اے ایمان والو! (نبی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) رَاعِنَا مت کہا کرو بلکہ اَنْظُرْنَا کہا کرو۔

﴿ تشریح ﴾

اس آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ یہودی مذہب کے لوگ جب حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنَا کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہماری رعایت فرمائیں۔ یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو اپنی طرف متوجہ کرنے

کے لئے رَاعِنَا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں رَاعِنَا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاعِنَا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تم رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کہا کرو یعنی ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی وہ لفظ ہی ترک کر دو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں ابانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے یہ گنجائے گرانمایہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ہر چند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایہ نہ بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشائستہ جن میں صراحۃً حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کسر شان ہو کیونکر جائز ہوں گے؟ (انوار احمدی، ص ۲۱۲)

فاضل مصنف کا یہ دوسرا پیرا گراف بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماری جائے۔ بالفرض کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ حکم عام تھا بے شک

اس کی گردن مار دی جاتی اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی۔

اب غور کرنا چاہیے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انہیں آنحضرت ﷺ کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہ یا کنایہ کس درجہ قبیح ہوگا (انوار احمدی، صفحہ ۲۱۲)

اب اس بحث کے خاتمے پر غیرت عشق و وفا میں بھیکے ہوئے حضرت مصنف کے یہ تاثرات پڑھئے سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے۔ اور لفظ لفظ ایمان کی حرارت سے تپا ہوا ہے:

اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک راعناً کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لئے تاویلات واردہ کچھ مفید ہو سکتیں؟ ہرگز نہیں۔ مگر اب ہوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رو دیا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ پختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کر دیئے تھے۔ ان خیالات کے جھللاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔

غرض میدان خالی پا کر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرات کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابل سزا تھیں، انہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے، جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا؟ (انوار احمدی، ص ۲۱۳)

فاضل مصنف کی یہ عبارت بار بار پڑھئے اور ہر بار اپنے دل کے کسی روزن سے جھانک کر دیکھئے کہ کیا وہاں غیرت عشق رسول ﷺ نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ اگر آپ کی

غیرت بیدار ہوتی اور آپ گستاخانِ رسول ﷺ کے لئے خطرہ بن گئے ہوتے تو ایک بوڑھے مصنف کے قلم کی نوک سے حسرتوں کا یہ خون نہیں ٹپکتا۔
آٹھویں آیت:

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی ﷺ کے گھر میں صرف اس وقت جاؤ جب تمہیں بلایا جائے اور وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں دل لگائے ہوئے وہاں مت بیٹھے رہو۔ کیونکہ اس بات سے نبی ﷺ کو اذیت پہنچتی ہے اور وہ فرط حیا سے کچھ نہیں بولتے لیکن اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیا نہیں فرماتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاطِرِينَ إِنَّهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا وَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مَسْتَأْذِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَلَيَسْتَحْيَ مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيَ مِنْ

الْحَقِّ ۝

﴿ تشریح ﴾

اس آیت کریمہ میں بھی صحابہ کرام کو نبی ﷺ کے کاشانہ اقدس میں داخل ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن صرف روزہ و نماز اور عبادات کے احکام سکھانے کے لئے اترا ہے، منصب نبوت کا ادب و احترام اس کا موضوع سخن نہیں ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب فاضل مصنف کی تحریر کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے۔ آیت کریمہ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

ایک بار بعض صحابہ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت ﷺ کے دولت خانے میں تھوڑی دیر ٹھہرے رہے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے، ان کی وجہ سے حضور ﷺ نہ اپنے مشاغل میں مصروف ہو سکے اور نامروت سے کچھ فرما سکے غرض یہ کہ یہ بات کسی قدر گرانی خاطر کا باعث ہو گئی۔ اور اس کے فوراً ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور ﷺ کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو، حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائیگا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت ﷺ کی عظمت اور آداب سے بھی روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت ﷺ کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسر شان کی ہیں کس قدر غیرتِ الہی کو جوش میں لاتی ہوں گی؟ (انوار احمدی، ص ۲۱۶)



تَعْظِيمِ وَاَدَبِ كَسَلْسَلَسِ مِیْن حضور اكرم ﷺ كِی عملی تعلیمات

دین میں تعظیم وادب کی اہمیت و ضرورت پر قرآن کی آیات کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد اب حضرت فاضل مصنف رسول پاک ﷺ کی عملی زندگی سے چند ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہو جائے کہ قابل احترام چیزوں کا ادب اور تعظیم اللہ پاک کا حکم بھی ہے اور رسول پاک ﷺ کی سنت بھی۔

اس موضوع پر حضرت مصنف نے چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

حضور ﷺ کے احترام و تعظیم پر احادیث سے دلائل

پہلی حدیث:

بے وضو سلام کا جواب نہ دینا

دارقطنی کتاب المجتبىٰ میں حضرت ابو جہم سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک دن حضور انور ﷺ حاجت بشریٰ سے فارغ ہو کر بیرجمل کی طرف سے تشریف لارہے تھے کہ میرا آنا سامنا ہو گیا۔ میں نے سلام عرض کیا، حضور ﷺ نے جواب دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ تیمم کرنے کے بعد حضور ﷺ نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ جواب دینے سے سو اس کے اور کوئی چیز مانع تھی کہ میں با وضو نہ تھا۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

اِنَّہٗ لَمْ یُمْنَعْنِیْ اَنْ اَرُدَّ عَلَیْکَ السَّلَامَ اِلَّا

اَنْیْ لَمْ اُکْمَرْ عَلٰی طَهْوَرٍ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ لفظ وعلیکم السلام کچھ آیت قرآنی نہ تھی جسے پڑھنے کے لئے طہارت کا اہتمام ضروری تھا۔ اگرچہ حدیث اصغر سے طہارت آیت قرآنی کی تلاوت کے لئے بھی شرط نہیں ہے لیکن چونکہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے اس وجہ سے بلا طہارت اسے زبان پر جاری کرنے سے تامل فرمایا گیا اس سے اس بات کی تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گواہی کے کرنے کی اجازت ہو، احتراز کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔ (انوار احمدی، ص ۲۲۷)

دوسری حدیث:

یہودی زانی کا تورات کے مطابق فیصلہ کرنا

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قوم یہود کے چند اشخاص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ تھوڑی دیر کے لئے وقف تک تشریف لے چلیں جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے چنانچہ حضور ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور بیتِ مدراس میں قیام فرمایا۔

حضور ﷺ کے لئے ان لوگوں نے ایک مسند بچھا رکھی تھی جس پر حضور ﷺ جلوہ افروز تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنا اصل مدعا پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم میں سے کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس بارے میں آپ حکم صادر فرمائیں کہ اسے کیا سزا دی جائے؟ اس درخواست کے جواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تورات منٹوائی جائے۔

جب وہ لوگ تورات لے کر آ گئے تو حضور ﷺ مسند سے نیچے اتر آئے اور تورات کو مسند پر رکھ دیا کہ میں تجھ پر اور تیرے اتارنے والے پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے اندر جو بڑا عالم ہو اسے بلا لاؤ۔

چنانچہ ایک جوان آیا اور اس نے تورات سے ثابت کر دیا کہ یہودی مذہب میں زانی سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ یہودی اس سزا کا انکار کرتے تھے۔ (انوار احمدی، صفحہ ۲۲۵)

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

باوجودیکہ اس زمانے میں تورات تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی لیکن حضور نے اس کا بھی احترام کیا کہ خود مسند سے نیچے اتر گئے اور تورات کو مسند پر جگہ دی۔ (انوار احمدی، ص ۲۲۵)

تیسری حدیث:

بیت اللہ کو بتوں سے پاک کرنا

مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے صاحب کنز العمال نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ہم مکہ معظمہ میں رسول پاک ﷺ کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس وقت عین کعبہ شریف میں اور اس کے اطراف و جوانب میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور نے انہیں حکم فرمایا اور سارے بت سرنگوں ہو گئے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

جَاءَ الْحَقُّ وَرَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

اس کے بعد خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس موقع پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کی تصویریں دیواروں پر اس طرح بنائی گئی ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تیر ہے جس کے ذریعہ کفار فال لیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ نے یہ تصویریں دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ ان تصویر بنانے والوں کو ہلاک کرے، حضرت ابراہیم تیروں سے قال نہیں لیتے تھے“

قَاتِلَهُمُ اللَّهُ هَٰكَذَا
إِبْرَاهِيمُ يَسْتَقْسِمُ بِالْأَزْلَامِ

اس کے بعد حضور ﷺ نے زعفران منگوا کر ان تصویروں پر پوت دیا جس سے تصویریں چھپ گئیں۔

اب اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز عبارت چشم عقیدت سے پڑھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جس طرح چاہا بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات ضرور تھی کہ ان حضرات کا نام ان فرضی تصویروں کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا جس کا لحاظ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ان کو مٹایا بھی تو معطر زعفران سے۔ ورنہ مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سبحان اللہ! کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آ گیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی ایک طرح سے ادب کی رعایت کی گئی۔

اب مقام غور ہے کہ جب خود آنحضرت ﷺ جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے ایسی بے اصل چیزوں کے ساتھ بھی صرف نام کا لحاظ کرتے ہوئے ادب کی رعایت فرمائی تو ہم آخری زمانے کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنے چاہئے جن کا بطور واقعی آنحضرت ﷺ

کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔ اور اگر بالفرض حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف ان آثار کی نسبت صحیح بھی نہ ہو تو کم از کم اس کا تو لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہاں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی نسبت تو ہے۔ اور طرفہ تماشایہ ہے کہ بجائے نادم ہونے کے لوگ اسی عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں۔ (انوار احمدی، صفحہ ۲۳۰)

چوتھی حدیث:

بوقت پیشاب احترام بیت اللہ

صحاح ستہ میں حضرت ابوایوب انصاری رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ رفع حاجت کے وقت نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ اس کی طرف پیٹھ کرو۔ اور دوسری حدیث میں جسے صاحب کنز العمال نے حضرت سراقہ ابن مالک رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت کی ہے، جس میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس حکم کی علت کھول کر بیان کر دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ قبلہ کی سمت احترام کرتے ہوئے اس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے۔

پھر اسی کنز العمال میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جس میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھول کر قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگے یا پھر یاد آتے ہی قبلہ کی تعظیم کے خیال سے رخ پھیر لے تو اٹھنے سے پہلے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنے حقیقت رقم سے علم و عرفان کے جوگل بوٹے کھلائے ہیں اس کی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کیجئے۔

ارشاد فرماتے ہیں:

اگر عقل نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف نہ بیٹھ کر نہ کھڑا منع ہوا۔ خصوصاً اس مقام

میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس کے فاصلے پر ہو۔ اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے۔ اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثال امر کے لئے کافی تھا لیکن ہر وقت اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور حالت نماز کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی اس کا ادب ملحوظ رکھنا کیا ضروری ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں ہے۔ جو لوگ آداب کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے واقف ہیں ان کی طبیعت خود گواہی دے گی کہ فضیلت و شرافت والی چیزوں کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید منوذب رہنا ضروری ہے۔

(انوار احمدی، صفحہ ۲۲۸)

عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت اور دیدہ عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

جب بیت اللہ شریف کو بہ سبب شرافت یہ رتبہ حاصل ہوا کہ ہر نزدیک اور دور والے پر اس کا ادب ضروری ٹھہرایا گیا تو جسے ذرا بھی نور بصیرت حاصل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیب رب العلمین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے متعلق آداب کی کس قدر ضرورت ہوگی۔ (انوار احمدی، ص ۲۲۹)



بارگاہ رسالت ﷺ میں صحابہء کرام

اور اکابر امت کے شیوہائے ادب

اس عنوان کے تحت حضرت فاضل مصنف نے احادیث و سیر کی مستند کتابوں سے ایسے واقعات جمع کئے ہیں کہ انہیں پڑھنے کے بعد ایمانی احساس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے اور آدمی شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے کہ منصب رسالت کے آداب کی جن نزاکتوں کو صحابہ کرام اور اکابر امت نے برت کر دکھایا۔ آج ہم ان سے واقف تک نہیں ہیں عمل کرنا تو بڑی بات ہے۔

اور یہ واقعات ان لوگوں کی پشت پر ایک عبرتناک تازیانہ سے کم نہیں ہیں جو تعظیم و ادب کے ہر موقع پر ہم سے سوال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کہیں اس کا حکم دیا ہو کتابوں میں دکھائیے؟ ہم ان سے جواباً عرض کریں گے کہ صحابہ کرام اور اکابر امت کے واقعات جو آنے والے اوراق میں درج کئے جا رہے ہیں آپ انہیں غور سے پڑھیں اور بتائیے کہ حضور ﷺ کے بارے میں جس ادب و احترام کا انہوں نے مظاہرہ کیا تھا کیا حضور ﷺ نے انہیں اس کا حکم دیا تھا؟

تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کو اس کے بارے میں حضور ﷺ کا کوئی حکم نہیں ملے گا۔ سو اس کے کہ صحابہ کرام اور اکابر امت نے ہر موقع پر خود اپنے ایمان کا تقاضا محسوس کیا اور اسے پورا کیا۔ لیکن جہاں سرے سے ایمان ہی کا فقدان ہو وہاں ایمان کا تقاضا محسوس کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اب دل کے اخلاص کے ساتھ چشم عقیدت کھول کر ان واقعات کا مطالعہ کیجئے؛

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوہ ادب:

صحابہ کرام کو نبی پاک ﷺ کے ساتھ کیسی والہانہ عقیدت و محبت تھی اس کے

ثبوت میں مصنف کتاب نے کفار قریش کے ایک نمائندے کی زبانی جو دلولہ انگیز شہادت پیش کی ہے، وہ اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جذبہ عشق کی امنگوں کے لئے ایک نوید جانفزا ہے۔

راویان حدیث بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صنادید قریش نے غرہ نام کے ایک جہاندیدہ شخص کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر وادیء حدیبیہ میں بھیجا۔ اس نے ہر رخ سے حضور ﷺ کے لشکر کا جائزہ لیا، قدم قدم پر صحابہ کرام کی جان نثاری اور والہانہ جذبہ وارفتگی کے بھی اس نے مناظر دیکھے۔ جب وہ واپس لوٹ کر مکہ گیا تو صنادید قریش کے سامنے جن الفاظ میں اس نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا کہ:

”اے میری قوم! قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے سطوت و جبروت والے سلاطین کی پیش گاہوں میں بھی گیا ہوں لیکن جس والہانہ محبت کے ساتھ محمد کے اصحاب محمد کی تعظیم کرتے ہیں اس کی مثال میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔

میں نے دیکھا کہ جب وہ اپنی ناک صاف کرتے ہیں تو ان کے اصحاب اُسے اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے ہیں اور اسے اپنے جسم اور منہ پر ملتے ہیں اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لئے ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اعضائے وضو سے جو پانی ٹپکتا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے صحابہ اس طرح ایک دوسرے پر گرتے ہیں کہ جیسے جنگ و جدال کی نوبت آجائے گی۔ اور صحابہ کے دلوں پر محمد کی ایسی ہیبت چھائی رہتی ہے کہ کوئی آنکھ بھر کر انھیں نہیں دیکھ سکتا۔“ (مواہب لدنیہ)

اس واقعہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام کو حضور ﷺ نے حکم دیا تھا کہ جب میں ناک صاف کروں تو اسے اپنے ہاتھ پر لے کر اپنے

چہرے اور جسم پر مل لیا کرو۔ اور جب میں وضو کرنے کے لئے بیٹھوں تو آشفۃ حال پر دانوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جایا کرو اور قبل اس کے کہ میرے اعضائے وضو سے ٹپکتا ہوا پانی زمین پر گرے تم اسے اپنے ہاتھوں پر روک لو اور اپنے چہرے اور جسم پر ملو۔ بلکہ یہ سارا ہنگامہ شوق صحابہ کرام کا خود اپنا برپا کیا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے نہ خدا کا کوئی حکم تھا، نہ رسول کا جو کچھ بھی تھا وہ خود انکے ایمان بالرسول کا تقاضا تھا جس کے سمجھنے میں نہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی اور نہ نفس کی کوئی شرارت درمیان میں حائل ہو سکی۔

اور یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حکم کے بغیر صحابہ کرام کے والہانہ جذبے کا یہ مظاہرہ اگر حرام و ناجائز ہوتا تو حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم یقیناً اپنے صحابہ کرام کو اس سے روک دیتے لیکن حدیث کی کتابوں میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے صحابہ کرام کو اس طرح کے اظہار عقیدت سے منع فرمایا ہو۔

ان ساری باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نہ بھی حکم دیں جب بھی عقیدت و تعظیم کا تقاضا پورا کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تعظیم و عقیدت کا وہ عمل جو کسی حکم منصوص سے متصادم نہ ہو، حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف سے اس کی عام اجازت ہے۔

جانوروں کا شیوہ ادب:

سنن احمد اور نسائی کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضرت انس رَضِیَ اللہُ عَنْہُ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کسی انصاری کے پاس ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے باغ میں پانی دیا کرتے تھے۔ ایک بار اس کا دماغ خراب ہو گیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی اس کے قریب نہیں جاسکتا تھا۔

اسی درمیان میں وہ انصاری ایک دن حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بگڑنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے کھیت اور باغ مرجھا

رہے ہیں۔

یہ قصہ سن کر حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جب حضور ﷺ اونٹ کی طرف بڑھنے لگے تو انصاری نے عرض کیا۔ حضور! یہ اونٹ پاگل کتے کی طرح خطرناک ہو گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے۔ حضور نے فرمایا:

لَيْسَ عَلَيَّ هُنَا بَأْسٌ ”مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔“

حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جو نبی اونٹ نے حضور ﷺ کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھا وہ تیزی سے دوڑا اور حضور کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑے جس وہ بالکل مسخر ہو گیا۔

یہ حدیث حضرت جابر سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں بیان واقعہ کے بعد میں اتنا اضافہ ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے اونٹ کا سجدہ ریز ہونا دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا کہ حیوانات و بہائم کے مقابلے میں ہمیں زیادہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں؟ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ کسی بشر کو جائز نہیں کہ وہ بشر کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ شاندار تبصرہ پڑھئے:

جس کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت ﷺ کی صحابہ کرام کے پیش نظر تھی کہ وہ حضور ﷺ کو سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے جس میں کمال درجہ کا تذلل ہے۔

عبارت کا یہ کٹرا بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

آنحضرت ﷺ کی اسی قسم کی عظمت جیسی صحابہ کے دلوں میں

تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے قلوب میں رہی مگر افسوس کہ چند روز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانے کے بعض لوگوں کے سروں میں سایا اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب باتیں جو کفار و مشرکین کیا کرتے تھے تازہ ہو جائیں۔ کبھی اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں غورو خوض ہوتا ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے اس لئے حضرت بڑے بھائی ہوئے۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ آیات و احادیث منتخب کی جاتی ہیں جن سے ان کے زعم میں منقصت شان نکلتی ہے۔ اور وہ احادیث جن میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے براہِ تواضع کچھ کہا ہے حضور کی کسرِ شان کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔

(انوار احمدی، ص ۱۹۰)

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا شیوہ ادب:

کنز العمال میں حضرت عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ ایک بار انہوں نے حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مرحمت فرمانے کے بعد حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

لَا تَسْأَلُنَا يَا أَخِي مِنْ دُعَائِكَ
میرے بھائی! اپنی دُعا میں ہمیں یاد رکھنا

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا یہ ارشاد میرے نزدیک اتنا گراں بہا تھا کہ اس کے مقابلے میں تمام روئے زمین کی سلطنت بھی بیچ تھی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب نے اُس گستاخ فرقے پر اتنی کاری ضرب لگائی ہے جو حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ اپنی ہمسری کا خواب دیکھتا ہے، کہ وہ تملانا نہیں گے ارشاد فرماتے ہیں:

حضور کا یہ ارشاد سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور اس زمانے کے کچھ لوگ اس حدیث شریف سے یہ معنی نکالیں گے کہ اخوت امر اضافی ہے۔ زمانہ کے تقدم اور تاخر سے اگر کچھ فرق ہے تو صرف بڑے اور چھوٹے کا ہے یعنی حضرت بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی۔ نعوذ باللہ من ذالک (انوار احمدی، ص ۱۹۳)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اسی قدر حصہ ملا کہ سر میں ہمسری کا سودا سمایا اور یہ خیال آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا کہ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ "مَثَلُكُمْ" تک پہنچا دیا۔ اب یہ شخص اُسی دُھن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہے اوروں کو بھی وہیں پہنچا دے۔

شاید اس کے خیال میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی کہ ہم کہاں اور شانِ رحمتہ للعالمین و سید المرسلین کہاں ع

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سلاطین اپنے خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اگر بادشاہ کے کہنے سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی سمجھنے لگیں تو وہ نہایت بے ادب اور احمق سمجھے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجود اپنی قرابت اور جلالت شان کے اپنے آپ کو حضور ﷺ کا عبد اور غلام کہا کرتے تھے جیسا کہ مستدرک میں حاکم نے حضرت سعید ابن المسیب سے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر درست ہوتا تو وہ والد

اور پدر بزرگوار کا تھا کہ ان کی ازواج مطہرات کو حق تعالیٰ نے امہات المؤمنین یعنی مسلمانوں کی ماں قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرمادی جیسا کہ قرآن کی اس آیت کریمہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ س

ظاہر ہے یعنی محمد (ﷺ) تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔

(انوار احمدی، ص ۱۹۵)

حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کا شیوہ ادب:

بخاری شریف میں یہ حدیث حضرت اہل ابن سعد ساعدی (رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قبیلہ بنی عمرو میں دو فریق کے درمیان صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اسی قبیلہ ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہوا تو مسجد نبوی شریف کے مؤذن نے حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) کی اجازت سے اقامت پڑھی۔ حضور کی غیر موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق امامت کے لئے آگے بڑھ گئے اور نماز شروع کر دی۔

اسی درمیان میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تشریف لائے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔

جب نمازیوں نے حضور کو دیکھا تو حضرت ابو بکر صدیق کو خبردار کرنے کے لئے ہاتھ سے دستک دینے لگے۔ جب حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے دستکوں کی آواز سنی تو گوشہ چشم سے دیکھا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ان کے پیچھے صف میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔

اس پر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف سے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم امامت کے مصلے پر تشریف لے گئے۔ جب حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نماز سے فارغ

ہوئے تو ابوبکر صدیق سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے خود تمہیں حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو تمہیں اس حکم کی تعمیل سے کوئی چیز مانع ہوئی؟

حضرت ابوبکر نے جواب میں عرض کیا کہ ابوقحافہ کا بیٹا ہرگز اس الائق نہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے آگے امام بن کر کھڑا ہو۔

اس واقعہ کا ظاہری پہلو واضح طور پر اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے باوجود وہ نافرمان نہیں کہے جاتے بلکہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے سب سے بڑے تابعدار کہے جاتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

آپ گہرائی میں اتر کر سوچیں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ نافرمانی سے چونکہ حکم دینے والے کی تحقیر ظاہر ہوتی ہے اس لئے نافرمانی کو بُرا سمجھا جاتا ہے اور اسی کے بالمقابل فرماں برداری سے چونکہ حکم دینے والے کی تعظیم نکلتی ہے اس لئے فرماں بردار کو اچھا کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی مقام پر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے اور نافرمانی سے حکم دینے والے کی عظمت ظاہر ہوتی ہو تو ایسی نافرمانی جائز ہی نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے جس کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے اس عمل سے ہوتا ہے۔ انھوں نے ہمیں روشنی دکھلائی ہے کہ منصب رسالت کا ادب و احترام دین کی اساس ہے۔ جب تعظیم کی بنیاد پر حکم کی خلاف ورزی قابلِ تحسین عمل بن سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ تعظیم کا حکم محتاج حکم نہیں ہے بغیر حکم کے بھی نبی کی تعظیم کی جائے گی۔

حضرت علی مرتضیٰ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا شیوہ ادب:

مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے یہ حدیث منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن صلح نامہ کی عبارت حضرت علی رَضِیَ اللہُ عَنْہُ لکھ رہے تھے جب انہوں نے صلح نامہ کی یہ سرخی لکھی کہ:

هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ

یہ وہ نکات ہیں جن پر محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے معاہدہ کیا

تو کفار مکہ کے نمائندگان کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اس کا غز پر رسول اللہ کا لفظ نہیں لکھا جاسکتا۔ کیونکہ اگر ہم ان کو اللہ کا رسول ہی مانتے تو اُن کے ساتھ جنگ ہی کیوں کرتے؟ یہ سُن کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علی نے جذبہ عقیدت میں سرشار ہو کر جواب دیا:

مَا اَنَا بِالَّذِي اَمَحَاهُ

میں وہ شخص نہیں ہوں کہ رسول اللہ کا

لفظ مٹا سکوں

حضرت علیؑ کا یہ جواب سُن کر حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو قلمزد کر دیا اور اس کی جگہ پر ابن عبد اللہ لکھا۔

اب ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف نے علم و عقیدت کے جو جواہرات نکھیرے ہیں ان کی چمک سے اپنی بصیرت کا نور بڑھائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ کا لفظ مٹانے کا امر فرمایا تھا اور مگر ان دونوں حضرات سے حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ حالانکہ حق تعالیٰ کا صاف و صریح ارشاد ہے کہ مَا اَتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا رسول تمہیں جس بات کا حکم کریں اُسے کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اور دوسری آیت میں ارشاد باری ہے کہ کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم صادر ہو جائے تو وہ اس سے سرتابی کریں۔

یہاں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے جس کے ازالہ کے لئے تعمق نظر درکار ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات سے عدول حکمی

عمل میں آئی اور وہ بھی اس موقع پر جب کہ آنحضرت ﷺ خود بہ نفس نفیس موجود ہیں اور رد و حکم دے رہے ہیں۔

اور اس بات کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا کہ ایک اشارے پر جان دے دینا ان کے لئے کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدول حکمی خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضور ﷺ انہیں تنبیہ فرماتے بلکہ کوئی آیت نازل ہو جاتی۔

اب اس خلجان کا ازالہ اسی طرح کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کا پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ ایسا با فروغ تھا کہ اس کے مقابلے میں عدول حکمی قابل التفات نہ ہوئی۔

اب ذرا صورت حال کی کشمکش کا اندازہ لگائیے کہ ایک طرف بہ نفس نفیس سید المرسلین ﷺ آئے سانسے حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف دل پر ادب کا اس قدر تسلط ہے کہ تعمیل حکم کے لئے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں میں حرکت ہوتی ہے۔ آخر ان دونوں صدیقیوں کو ادب کی شہ پروہی کرنا پڑتا ہے جو ادب کا مقضیٰ تھا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نص قطعی کے مقابلہ میں ادب ہی کو ترجیح ہوئی تو دین میں ادب کا مقام کتنا بلند ہے؟ (انوار احمدی، صفحہ ۲۳۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا شیوہء ادب:

کنز العمال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ جس دن سے میں نے حضور اکرم ﷺ سے بیعت کی اور اپنا دایاں ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اس دن سے آج تک میں نے اپنے دائیں ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

اور کنز العمال ہی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ ایک دن حضور ﷺ کسی باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک مکان میں رونق افروز ہوئے۔ اسی درمیان دروازے پر ایک شخص نے دستک دی۔ حضور ﷺ نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو۔ اور یہ خبر بھی دید کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا تو دروازے پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی آنے والے نے دروازے پر دستک دی، حضور ﷺ نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو اور اسے اس کی بھی خبر کر دو کہ میرے بعد اسے میرا خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حضور ﷺ نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو اور اسے یہ خبر بھی پہنچا دو کہ عمر کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے اور وہ قتل کئے جائیں گے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہیں۔ وہ اندر آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں کبھی کسی گانے بجانے کی محفل میں شریک نہیں ہوا اور نہ میری زبان کبھی جھوٹ پر آمادہ ہوئی۔ اور جس دن سے میں نے اپنا دایاں ہاتھ حضور کے دست مبارک میں دیا اس دن سے آج تک اُس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ حضور نے فرمایا۔ یہی بات ہے عثمان۔ یعنی انہی خوبیوں کی وجہ سے بارگاہِ خداوندی میں تمہاری مقبولیت ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ ایمان افروز نکات

ملاحظہ فرمائیں جن سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب یہاں پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو ہاتھ دیا تھا اس میں کس قسم کا اثر دست مبارک کا رہ گیا تھا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔

باطن کا حال تو وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کے اہل ہیں لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے عقل متوسط تسلیم کر لے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا تو وہ بالکل دوسری بات ہے۔ غرض کچھ بھی سہی کسی مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر اعتراض کرے۔ اور فعل بھی کیسا جس پر خود شارع علیہ السلام کی رضامندی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف انہی کا تھا بلکہ اس قسم کی باتیں اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہو سکی لیکن اعتقاد مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف کے مس سے شرافت حاصل ہو گئی اس میں کسی نہ کسی طرح کی فضیلت ضرور آگئی۔

تبصرہ کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

پھر دوسری بحث طلب بات یہ ہے کہ شرمگاہ میں کوئی ایسی برائی رکھی تھی کہ وہاں متبرک ہاتھ لے جانا مذموم سمجھا گیا۔ اکثر احادیث و آثار سے تو یہی ثابت ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے دوسرے اعضاء کی طرح۔

البتہ اس عضو میں اگر کوئی کراہت ہے تو وہ طبعی ہے اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طبعی کراہت کو بھی ادب نے اتنا بڑھایا کہ شرعی کراہت سے بھی زیادہ اس کی حس بڑھ گئی اور ساری عمر وہ اس فعل سے بچتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا اثر دکھانے میں

نہ وہ کسی امر کا منتظر ہے اور نہ کسی نظیر کا محتاج! بلکہ اہل ایمان میں وہ ایک قوتِ راسخہ کا نام ہے جو ادب کرنے والوں کو معظم کے آگے جھکنے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (انوار احمدی، ص ۲۴۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب:

کنز العمال میں حضرت عبدالرحمان ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کا نام محمد تھا۔ ایک دن حضرت عمر کہیں سے گزر رہے تھے کہ انہوں نے سنا کہ محمد نام والے شخص کو ایک آدمی بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ سُن کر چلتے چلتے وہ رک گئے اور اس شخص کو جس کا نام محمد تھا اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نام کی وجہ سے نامِ پاک کی بے حرمتی ہو رہی ہے اس لئے آج سے میں تمہارا نام بدل رہا ہوں۔ اب آج کے بعد سے تم بجائے محمد کے عبدالرحمان کے نام سے پکارے جاؤ گے۔

اس درمیان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نظر حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے پر پڑی ان کا نام بھی محمد تھا۔ حضرت عمر نے ان کا نام بھی بدلنا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام حضور نے محمد رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر پر سکتہ طاری ہو گیا اور فرمایا اب تمہارا نام کوئی نہیں بدل سکتا۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف اپنی غیرتِ ایمانی کا جلوہ دکھاتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں:

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کو گالیاں دیئے جانا انہیں گوارا نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے نام لے کر گالی دی جس سے نام کی توہین کا سوال اٹھتا بلکہ اس نے تو اس کی ذات کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تیرے ساتھ خدا ایسا کرے ویسا کرے۔ اس سے نام کی توہین کیسے نکل آئی؟

اب اس کی اصل وجہ سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور

ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے جس کا نام محمد رکھو اس کی بے حرمتی مت کرو۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ نام کی وجہ سے اس کی ذات میں بھی کسی نہ کسی طرح کی شرافت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے لیکن جب اس باب میں صراحت حدیثیں وارد ہیں تو اہل ایمان سے یہ کب ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے مقابلے میں عقل کی سنیں؟ ایمان تو اسی کا نام ہے کہ جو حضرت نے فرمادیا اسے بے چون و چرا مان لیا۔ اگر وہ عقل کے مطابق ہے تو فہماور نہ عقل کو اس ارشاد کے آگے قربان کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز پر تبرک نام آنے کی وجہ سے اس چیز کا مکرم و محترم ہو جانا شارع پاک ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے۔ (انوار احمدی، ص ۲۶۲)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک اور شیوہ ادب:

کنز العمال میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک دیہاتی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کیا آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا نہیں! میں خالفہ ہوں۔

جوہری نے مختار الصحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہ ادب آپ نے اپنے کو اس لفظ کا مصداق نہیں سمجھا۔ اور اس لفظ کو ایک ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اب اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ حق افروز اور باطل سوز تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کونسا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے۔ اگر اپنے آپ کو وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کرنا چاہتے ہیں تو حضور کے وہ فضائل و خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو نصیب نہیں ہوئے، ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گے

اور اگر اپنے برابر کر کے وہ حضور کی شان گھٹانا چاہتے ہیں تو ان لوگوں پر اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ "ہم ٹلنا" کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی راہ نہیں ہے۔

(انوار احمدی، ص ۲۳۴)

ایک ہی شیوۂ ادب متعدد اکابر صحابہ کا:

دلائل النبوة میں حضرت قباث لیشی کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے جن کی ولادت حضور سے پہلے ہوئی تھی کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ:

اَنْتَ اَكْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم؟

انہوں نے جواب دیا کہ:

ہُوَ اَكْبَرُ مِنِّیْ وَاَنَا اَسْرُ مِنْہُ

ہے۔

اسی طرح کی روایت دلائل النبوة میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی نقل کی

گئی۔ ان سے بھی کسی نے یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی جواب میں کہا:

هُوَ أَكْبَرُ مِنِّي وَأَنَا
أَقْدَمُ مِنْهُ فِي الْهَيْلَةِ
بڑے وہی ہیں صرف میری پیدائش
ان سے پہلے ہے۔

اسی طرح کا شیوہ ادب ابن عساکر اور ابن نجار نے حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ان سے بھی کسی نے پوچھا تھا کہ:

أَنْتَ أَكْبَرُ أَمْ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ؟
آپ بڑے ہیں یا رسول پاک
ﷺ؟

تو انہوں نے بھی جواب میں یہی کہا تھا۔ بڑے وہی ہیں میں صرف پہلے پیدا ہوا ہوں۔ اور اسی طرح کی روایت صاحب کنز العمال نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی نقل فرمائی ہے کہ ایک موقع پر حضور اکرم ﷺ نے خود ان سے دریافت کیا کہ میں بڑا ہوں یا تم بڑے ہو؟ تو انہوں نے کمال ادب سے جواب دیا:

أَنْتَ أَكْبَرُ وَأَكْرَمُ وَأَنَا
لَا سَرُّ مِنْكَ
آپ ہی بڑے اور بزرگ ہیں، میری
تو صرف عمر زیادہ ہے۔

اب ان ساری روایات کے ذیل میں حضرت مصنف کے نورانی احساسات کے افق پر عشق و ایمان کی طلوع ہوئی صبح صادق کا یہ منظر دیکھئے فرماتے ہیں:

اب اس ادب کو دیکھئے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اکبر اور اسن دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ صراحتہ اس کی نفی کر دی اور مجبوراً لفظ اسن کا ذکر کیا۔ کیونکہ صراحتہ مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی لفظ نہ تھا۔

پھر قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ جن کی تعظیم و تکریم خود آنحضرت ﷺ کیا کرتے تھے اور صدیق اکبر جو بارگاہ

رسالت کے سب سے مقرب اور معتمد کہے جاتے ہیں، جب ان حضرات کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم لوگوں کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے؟
(انوار احمدی، ص ۲۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب:

بخاری شریف میں حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مدینہ شریف کی کسی گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک حضور نبی پاک ﷺ کا سامنا ہو گیا حضور کو دیکھتے ہی وہ چھپ گئے جب تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو حضور ﷺ نے ان سے چھپنے کی وجہ دریافت کی۔ انہوں نے عرض کیا مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی۔ اس حالت میں مجھے آپ کے سامنے آنا خلاف ادب محسوس ہوا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ مومن نجس نہیں ہوتا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز بیان پڑھے:

ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ جو اس حالت میں الگ ہوئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرت کی ان کے دل میں تھی جس نے ان کی عقل کو مقہور کر کے ان کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا۔ آخر وہ بھی جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا امر حکمی ہے، حسی نہیں ہے کہ دوسرے کو اس سے کراہت محسوس ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

ہر چند آنحضرت ﷺ نے مسئلہ شرعیہ بیان فرمادیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے سے کوئی چیز انہیں مانع ہوئی۔ سو اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ صرف فرط

ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ اگر ان کا یہ فعل حضور ﷺ کو ناگوار ہوتا تو حضور صراحت کے ساتھ انہیں منع فرما دیتے کہ آئندہ وہ اس غلطی کا اعادہ نہ کریں لیکن حضور ﷺ اس نکتہ سے واقف تھے کہ مومن کا نجس نہ ہونا تقاضائے ادب کے لئے مانع نہیں ہے۔

(انوار احمدی، ص ۲۴۲)

عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا شیوہ ادب:

مستدرک اور حاکم میں حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ حضور انور ﷺ کے دربار میں جب حاضر ہوتے تھے تو فرط ادب سے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور مستدرک ہی میں حضرت عبدالرحمان ابن قرط سے یہ روایت بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ لوگ حلقہ بنا کر اس طرح ساکت و جامد بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں ہیں۔ قریب جا کر دیکھا تو ان کے بیچ میں حضرت خذیفہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور حضور ﷺ کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ روح پرور تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:-

اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ اس نے ان حضرات کے مسلک سے ہمیں کتنا دور کر دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے ان کے قلوب ایسے مؤدب و مہذب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے طرح طرح کے طریقے وہ خود اپنی طبیعت سے ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر انہیں منطبق کر لیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانے میں بآسانی نہ ہو سکے۔ غرض وہ ہر قسم کا ادب ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس

وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی۔ خیر القرون کا یہ حال تھا اور اب آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ ان حضرات کے اتباع میں اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔ صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔

حضرت اسلم ابن شریک رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب:

امام طبرانی نے اسلم ابن شریک سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف رکھتے تھے۔ ایک رات سفر میں مجھے نہانے کی حاجت ہو گئی۔ اسی دوران میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں بہت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں۔ ایک طرف سخت سردی کی رات میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہوئے ہلاکت یا بیماری کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف کسی طرح طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں بلا آخر میں نے ایک انصاری سے کہا۔ انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

قافلہ روانہ ہو جانے کے بعد میں نے کسی طرح پانی گرم کیا اور غسل کرنے کے بعد تیز تیز چل کر قافلہ سے جا ملا۔ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ آج کیا بات ہے کہ میری اونٹنی کا کجاوہ کچھ بدلا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہانے کی حاجت پیش آ گئی تھی۔ اس لئے مجھے گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ مجبوراً اپنے ایک ساتھی سے درخواست کی اور آج اس نے کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اسلم کہتے ہیں کہ اسی موقع پر وہ مشہور آیت نازل ہوئی جس میں سفر کی حالت میں غسل جنابت کے لئے تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گرانمایہ کلمات ملاحظہ فرمائیے:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ ہوا۔ اگر چشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت تحقیقی ایمان کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔

پھر اگر بات بڑھائی جائے تو یہ سلسلہ وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں سب کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس بات کا ذکر خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ہو جائے اور اسی کے بعد صورت حال کی مناسبت سے قرآن کی آیت بھی نازل ہو جائے تو اب اس فعل کے قابل تحسین ہونے میں کیا شبہ ہے؟

الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو بزرگانِ دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہی محمود ہے۔ (انوار احمدی، ص ۲۴۴)

حضرت براء ابن عازب رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا شیوہ ادب:

سنن ابی داؤد میں حضرت عبدالبنِ فیروز سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ایک دن حضرت براء ابن عازب سے دریافت کیا کہ کن کن جانوروں کی قربانی ناجائز ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ایک دن ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور خطبہ کے دوران اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اور میری انگلیاں

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد اب حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد نقل کیا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے، ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو، دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو، تیسرا وہ جس کا لنگڑا ہونا ظاہر ہو، اور چوتھا وہ جو نہایت لاغر ہو۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں مایہ احساسات ملاحظہ

فرمائیں:

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اپنے خطبہ کے دوران اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ حضرت براء ابن عازب کوان کے شیوۂ ادب نے اجازت نہیں دی کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں۔ اس لئے درمیان میں انہوں نے سلسلہ کلام کو توڑ دیا اور جملہ معترضہ کے طور پر کہا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جنہیں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی انگلیوں سے کچھ نسبت نہیں ہے۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے۔ نہ بظاہر اس میں کسی طرح کی مساوات کا شائبہ ہے اور نہ سوء ادب! لیکن اس کے باوجود صحابی کے شیوۂ ادب نے دست مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آتی تھی۔

اہل ایمان کے لئے یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ باوجودیکہ حضور نے صحابہ کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اس طرح کا ادب کریں لیکن ان کا شیوۂ ادب خود ایمان کا تقاضا محسوس کر لیتا تھا۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شیوہ ادب:

بخاری شریف میں اُمّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ام عطیہ کی عادت تھی کہ وہ حضور ﷺ کا نام لیتے وقت فداہ ابی وائی کہا کرتی تھیں۔ یعنی میرے ماں باپ حضور پر خدا ہوں۔ یہی شیوہ ادب اکثر صحابہ کا بھی تھا۔ حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں بھی اور وصال شریف کے بعد بھی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانہ بعد وفات شریف بھی وہ ادب ملحوظ ہوتا تھا کہ جب تک اپنے ماں باپ کو فدا نہیں کر لیتے تھے صحابہ کرام حضور ﷺ کا نام مبارک نہیں لیتے تھے۔

(انوار احمدی، ص ۲۵۲)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا شیوہ ادب:

در منظم میں ابن حجر ہمتی نے اور کتاب الشفاء میں قاضی عیاض نے ابن حمید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک بار خلفائے عباسیہ کے سلسلے کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور کے ساتھ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا کسی مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ گفتگو مسجد نبوی شریف کے صحن میں ہو رہی تھی۔ اثنائے گفتگو میں ابو جعفر منصور کی آواز بلند ہو گئی۔ اس پر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں آواز بلند مت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آواز بلند کرنے پر ان لوگوں کی تنبیہ فرمائی جو آپ سے کہیں بہتر تھے۔ اور ان لوگوں کی مدح سرائی کی جو حضور اکرم ﷺ کی جناب میں اپنی آواز پست رکھتے تھے اور ان لوگوں کی مذمت کی جو حجرہ شریف کے باہر سے بآواز بلند پکار رہے تھے۔ حضور اکرم سید عالم ﷺ کے ادب و احترام کا یہ حکم جس طرح حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں تھا اسی طرح آج بھی ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد سنتے ہی خلیفہ ابو جعفر منصور کی گردن فرط ادب سے جھک گئی۔ پھر اس نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کے مولجہ شریف میں دُعا کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کروں یا حضور کی طرف؟ فرمایا اس ہستی کی طرف سے اپنا منہ مت پھیرئے جو قیامت کے دن آپ اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اس لئے آپ حضور ﷺ ہی کی طرف منہ کر کے اُن سے شفاعت و سفارش طلب کیجئے۔ کیونکہ خداوند قدوس نے انہی کی سفارش پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ گرانقدر افادات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب ان حضرات کے اعتقادات کو دیکھئے کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے آواز بلند کرنے کے سلسلے میں سورہ حجرات کی جن آیات سے استدلال کیا اس کے متعلق خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ فوق صَوْتِ النَّبِيِّ، اور يُنَادُونَكَ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں

پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف جاہل تھا بلکہ نہایت کامل العقل، اور فقیہ النفس عالم جید تھا۔ مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال میں اس درجہ قوت تھی کہ خلیفہ ساکت و مبہوت رہ گیا۔

اگر اس زمانے میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو صد ہا شاخسانے اس میں نکالے جائیں گے۔ دوسری طرف حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مقام علم و فضل اتنا بلند ہے کہ ان کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم، اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہو سکے گا کہ معترض کی رائے کو امام مالک کی رائے پر ترجیح دے کیونکہ امام مالک وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کا شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔ پھر اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کر کے حضور ﷺ کے بارے میں کوئی غلط دعویٰ کرے تو اس کا ابطال اُن احادیث شریفہ سے ہو جائے گا جن میں خیر القرون ہونا اُس زمانے کا اور کم ہو جانا علم کے آخری زمانے میں وارد ہے۔

اور مسجد نبوی شریف کے آداب ہی کے سلسلے میں امام بخاری نے حضرت سائب ابن یزید سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ میں ایک بار مسجد نبوی شریف میں کھڑا تھا کہ مجھے کسی نے کنکری ماری میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ سامنے جو آدمی بیٹھے ہیں انہیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب میں ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو انہوں نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ تم حضور ﷺ کی مسجد میں بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ (انوار احمدی، صفحہ ۲۵۱)

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ گرانقدر افادات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر کوئی کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا۔ باوجودیکہ سائب ابن یزید چنداں دور نہ تھے لیکن اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پکارا

نہیں بلکہ کنکری پھینک کر انھیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام آداب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت ﷺ بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ لحاظ اگر صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فی مسجد رسول اللہ ﷺ (یعنی رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں) کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہل مدینہ کے لئے خاص فرمایا جنہیں مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی تو مسجدیں تھیں۔ یہیں سے وہ بات بھی ثابت ہو گئی جو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور سے کہا تھا کہ حضور ﷺ کی عزت و تکریم وصال شریف کے بعد بھی ویسی ہی فرض ہے جیسی حیات ظاہری میں تھی۔ (انوار احمدی، ص ۲۵۱)

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا شیوہ ادب:

حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تنزیہہ الانبیاء میں امام سبکی کی کتاب التریخ سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی بعض تصانیف میں وہ واقعہ نقل کیا ہے جو حضور انور ﷺ کے زمانہء پاک میں واقع ہوا تھا کہ کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضور ﷺ نے چوری کی سزا میں اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اس پر کسی صاحب نے حضور ﷺ سے سفارش کی۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم صادر کرتا۔

امام شافعی کے انداز بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں اس مقام پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے اگر بعینہ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہیں تھی لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہ کمال ادب ان کا نام نہیں لیا بلکہ نام کی جگہ فلاں عورت کہا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ باوقار تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا۔ حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیدہ کا نام مبارک جو حدیث میں وارد ہے وہ تو (اگر) کے ساتھ ہے جس کا اطلاق کسی محال چیز پر برسبیل فرض محال ہوتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں وہ مقام توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتہ ذکر کریں۔
سچ کہا ہے لوگوں نے کہ جو مقررین بارگاہ ہوتے ہیں انہی کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و نا کس میں یہ صلاحیت کہاں؟ (انوار احمدی، ص ۲۳۳)

حضرت ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا شیوہ ادب:

حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام مالک سے پوچھا کہ ابو ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے اساتذہ میں وہ سب سے افضل تھے۔ انہوں نے دو حج کئے اور میں دونوں باران کے ساتھ تھا۔ سفر کے دوران جب بھی ان سے کسی حدیث کی روایت سنی تو حضور ﷺ کے ساتھ ان کی والہانہ محبت کا یہ عالم دیکھا کہ جب وہ حضور ﷺ کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی غیرت ایمانی کا جلوہ ملاحظہ

فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے معاصرین سے انہیں افضل بنادے اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ ذکر شریف کی مجالس ہی نہ منعقد ہونے پائیں، ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتوں سے مسلمان فیضیاب ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟ (انوار احمدی، ص ۲۳۷)

نام مبارک کی تعظیم کا حکم

جس طرح حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے وجود باوجود کی تعظیم و تکریم ایمان کا مقتضی ہے اسی طرح حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نام پاک کی تعظیم و توقیر کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ صاحب کنز العمال نے نام پاک کی تعظیم و تکریم سے متعلق پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نام مبارک کی تعظیم و ادب کے حوالے سے احادیث مبارکہ

پہلی حدیث:

حضور کے نام پر اولاد کا نام رکھنا

حضرت بزار سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابو رافع سے انہوں نے کہا کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اسے مارومت اور اسے محروم نہ کرو۔

دوسری حدیث:

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نام والے بچوں کا احترام

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے منقول ہے کہ حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم و توقیر کرو اور جب وہ مجلس میں پہنچ جائے تو اسے بیٹھنے کی جگہ دو۔

تیسری حدیث:

آپ ﷺ کے نام والے بچوں کو محروم نہ کرنا
حضرت دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے
ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کے نام محمد رکھو تو اسے محروم مت کرو کیونکہ محمد کے نام میں برکت دی
گئی ہے یہاں تک کہ اس گھر میں بھی برکت دی گئی ہے جس میں محمد نام کا کوئی شخص رہتا ہو۔
چوتھی حدیث:

آپ ﷺ کے نام والے بچے کو گالیاں بکنے سے اجتناب کرنا
حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کس قدر
افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُسے گالیاں بھی دیتے ہو۔
پانچویں حدیث:

آپ ﷺ کے نام والے بچے کو ملعون نہ بنانا
پانچویں حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں حضور ﷺ نے
ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اس پر لعنت بھی بھیجتے ہو۔

حضرت فاضل مصنف ان پانچوں حدیثوں کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل یہ پانچوں روایتیں کنز العمال میں ہیں۔ ان تمام روایتوں سے
ثابت ہوتا ہے کہ نام مبارک کی تعظیم و ادب کے ساتھ ساتھ نام والے کا
بھی ادب و احترام کرنا چاہئے۔ (انوار احمدی، ص ۲۶۵)

تعظیم نام محمد ﷺ کا ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں حضرت وہب ابن منبہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے
کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت بدکار شخص تھا۔ اس نے سو برس تک خدا کی ایسی ایسی نافرمانی کی
اور خدا کی مخلوق پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ جب اس کا انتقال ہو

گیا تو لوگوں نے اس کے ظلم و شقاوت اور بد کاریوں کی وجہ سے اسے اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اسے عزت و اکرام کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ نہایت حقارت و ناقدری کے ساتھ لوگوں نے اس کی لاش کو ایک کوڑے خانے پر لا کر پھینک دیا جہاں گاؤں بھر کی نجاست و غلاظت ڈالی جاتی تھی۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ خداوند ذوالجلال کی طرف سے انہیں حکم صادر ہوا کہ فلاں گاؤں کے کوڑے خانے پر ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اُسے وہاں سے اٹھا کر عزت و تکریم کے ساتھ فوراً کسی قبرستان میں دفن کرو۔

وہاں پہنچنے کے بعد جب لوگوں کے ذریعے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کی سیاہ کاریوں اور ظلم و شقاوت کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کی جناب میں عرضی پیش کی کہ گاؤں کے سارے لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شخص سو برس کی طویل مدت تک تیری نافرمانی کرتا رہا یہ اپنے زمانے کا بدترین شخص تھا یہ کسی عزت و تکریم کے لائق نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہوا لوگ سچ کہتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک خوبی کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور جنت کی ستر حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

وہ خوبی یہ تھی کہ جب بھی وہ تورات کھولتا تو نام محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کو بوسہ دیتا آنکھوں سے لگاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عنایت بیکراں پر حیران رہ گئے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گرانقدر کلمات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر اس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والے عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اسی کا کام تھا۔
غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گزشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہوگی۔ اس پر بھی اگر نام مبارک کو دیکھ کر اور سن کر کبھی بوسہ نہ لیں تو اتنا ضرور چاہیے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں (انوار احمدی، ص ۲۶۶)

مسئلہ

نامِ پاک سُن کر انگوٹھا چومنے کی بحث

نامِ پاک سُن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کے مستحب ہونے پر حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز بحث دل کی گہرائی سے پڑھئے کہ وہ بیماروں کی شفا یابی اور صحت مند دلوں کی تقویت کا باعث ہے۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے:



بوقتِ اذان حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام سُن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا تفسیر روح البیان میں قہستانی، شرح کبیر، محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جب مؤذن پہلی بار اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے تو سننے والوں کو چاہئے کہ وہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم عَلَیْکَ یَا رَّسُوْلَ اللّٰہِ کہیں۔ اور جب دوسری بار اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہے تو سننے والوں کو چاہئے کہ انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر قرۃ عینیٰ بِکَ یَا رَّسُوْلَ اللّٰہِ کہنے کے بعد اَللّٰہُمَّ مَتَّعِنِیْ بِالسَّمْعِ وَ الْبَصَرِ پڑھیں۔



حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کا عمل

اور محیط میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ نے آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا نام پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے۔ اور مضمرات میں لکھا ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام نور محمدی کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نور کو ان کے دونوں ناخنوں میں جلوہ گر فرمادیا اور انہوں نے انہیں بوسہ دے کر

اپنی آنکھوں پر ملا۔ اور ان کی یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی۔

پھر جبریل علیہ السلام نے جب یہ قصہ حضور ﷺ کے سامنے بیان کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھانہ ہوگا۔



حضرت صدیق اکبر ﷺ کا دوسرا عمل

امام سخاوی نے اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں دیلمی کی مسند الفردوس سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب وہ مؤذن سے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ سُنْتُ تو اس کے جواب میں ارشاد فرماتے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رِيًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّي اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا اس کے بعد کلے کی انگلیوں کے باطنی حصے پر بوسہ دیتے اور انھیں اپنی آنکھوں سے لگاتے۔



شفاعت کا حقدار بننا

اور کہار اوی نے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میرا نام سُن کر جیسا کہ میرے دوست ابوبکر نے کیا دیا جو بھی کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔ اور اسی طرح کی حدیث حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرواد نے اپنی کتاب موجبات الرحمة وعزائم المغفرة میں حضرت خضر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ جو شخص مؤذن کے کلمہ شہادت کے جواب میں کہے: اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ مَرَحَبًا بِحَبِيبِيْ وَقَرَّةَ عَيْنِيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ﷺ پھر اپنے انگوٹھوں کو بوسہ دے اور

انہیں اپنی آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔

پھر روایت کی ابو العباس نے اپنے بھائی فقیہ محمد ابن الباہا سے کہ ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک چھوٹی سی کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی۔ بہت کوشش کے باوجود کنکری آنکھ سے نہ نکل سکی یہاں تک کہ جب آنکھ دکھنے لگی تو مؤذن سے کلمہ اذان سن کر حدیث پر عمل کیا فوراً ہی کنکری نکل آئی۔ رواد کہتے ہیں کہ یہ بات حضور ﷺ کی بڑی بڑی فضیلتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

یہاں تک مقاصد حسنہ کی عبارت تھی اب مصنف کتاب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے ارشاد

فرماتے ہیں:

الحاصل دین و دنیا میں ادب کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا یقیناً اس کے دین میں کہیں نہ کہیں رخنہ ضرور ہوگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں یہ گستاخانہ جملہ کہا تھا کہ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ میں اس سے بہتر ہوں اور جس کے نتیجے میں وہ مردود بارگاہ کبریائی ہوا، اسی وقت سے اولاد آدم کی عداوت اس کے دل میں جم گئی اور باپ کا انتقام اولاد سے لینے کے لئے مختلف قسم کی تدبیر اس نے سوچی۔

مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں زبردست اثر رکھتی ہے۔ اس لئے اس نے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ "ہمٹنا" کی عام تعلیم شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہتے رہے کہ تم ہماری ہی طرح

ایک بشر ہو۔

گہرائی میں اتر کر سوچئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو اَنَا خَيْرُ
مَنْہ میں تھی۔ اگر کسی قدر فرق ہے تو تابع اور متبوع کی ہمتوں میں
ہے۔ (انوار احمدی، ص ۲۷۵)

اس کی عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام نے ہزار ہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی
عظمت اس نے جمنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت کو مان لیا اور
مسلمان ہو گئے ان سے کسی قدر اسے مایوسی ہوئی۔ کیونکہ ان سے تو وہ بے
باکی نہیں ہو سکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی۔

اب بہت غور و فکر کے بعد مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس نے بے
ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو راست گوئی کا نام دیا۔ اب کیسی ہی
ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے احمقوں کے دماغ
میں اتار دیتا ہے اور کچھ ایسا بے وقوف بنا دیتا ہے کہ راست گوئی کی دھن
میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا خیال رہتا ہے اور نہ اپنے انجام کا
اندیشہ۔ (انوار احمدی، صفحہ ۲۷۵)



تاریخ فتنہ و ہابیت

حضرت فاضل مصنف نے احادیث کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس فتنہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جس احساس کے تحت انہوں نے اس بحث کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے اس فتنہ کی کھول کھول کر نشاندہی فرمائی ہے اور احادیث کی کتابیں ان روایات سے بھری پڑی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے چھپایا جائے۔ اس لئے علم کی دیانتداری کا تقاضا ہے کہ اسے عوام کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ رکھ دیا جائے تاکہ اپنے آپ کو وہ اس فتنہ کی زد سے بچانا چاہیں تو بچاسکیں۔

فتنہ و ہابیت کی ابتداء اور علامات و ہابیہ:

اس سلسلے میں سب سے پہلے انہوں نے بخاری شریف کی وہ حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور انور ﷺ اموال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور نہایت گستاخانہ جسارت کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ انصاف سے مال غنیمت تقسیم کیجئے۔

حضور نبی پاک ﷺ نے اس گستاخانہ جملے پر اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں انصاف نہ کروں تو اس دنیا میں کون انصاف کرنے والا ہے؟ اگر میں انصاف نہ کروں تو یقیناً تو محروم و نامراد ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس کی یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی۔ وہ فرط غضب میں اپنی تلوار بے نیام کر کے کھڑے ہو گئے اور حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ میں اس گستاخ

کا سر قلم کر دوں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی نسل سے ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہوگا جو ایسی نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار کو چھیدتا ہوا تیر نکل جاتا ہے۔

اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے کنز العمال میں بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا اور حضور انور ﷺ نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اس گروہ کی علامت سر منڈانا ہے۔ اور یہ گروہ روپ بدل بدل کر نکلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں

اب حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ پڑھئے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوٰۃ سے اس کی پیشانی میں گتہ پڑ گیا تھا۔ ان احادیث میں تامل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہم خیال بدترین مخلوقات ٹھہرے۔ وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور طبعی گستاخی کے اور کوئی نہیں نکلے گی۔ (انوار احمدی، ص ۲۸۰)

اسی مضمون کی تیسری حدیث حضرت امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ایک سنگ کاٹی جائے گی تو دوسری نکل آئے گی یعنی جب ایک فرقے کا نام و نشان مٹ جائے گا تو دوسرا فرقہ ظہور کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ و جال کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ بیان چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کی طرف سے نکلے اور وہابی بھی مشرق ہی کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ غالباً یہ وہی فرقہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (انوار احمدی، ص ۳۰۷)

مقام ظہور فتنہ وہابیت:

وہ حدیث یہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اے اللہ! ہمارے ملک شام اور یمن میں برکت دے۔ اس موقع پر ملک نجد کے لوگ بھی موجود تھے، انہوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہمارے نجد کے بارے میں بھی برکت کی دعا فرمائیں۔ حضور ﷺ نے پھر ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں برکت کی دعا فرمائی جب دوسری بار پھر نجد کے لوگوں نے اصرار کیا تو حضور ﷺ نے حقیقت کے چہرے سے نقب الٹ دیا اور ارشاد فرمایا کہ! وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف، میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ حقیقت افروز تبصرہ پڑھے:

اس حدیث شریف سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ نجد سے فتنے برپا ہوں گے اور اوپر کی حدیث میں گزرا کہ وہ لوگ مشرق سے نکلیں گے اگرچہ مشرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے مشرق ہی میں واقع ہے لیکن مدینہ شریف کے عوام اور خواص نجد ہی کو مشرق اور وہابیوں کو مشرقی کہا کرتے ہیں جن کی اقامت ملک نجد میں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا اور دوسری یہ کہ وہ

بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے۔ اور ایک علامت یہ ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد کوئی وہاں سے واپس نہیں لوٹے گا۔

(انوار احمدی، ص ۳۱۰)

ایمان کی قیمت:

اس مضمون کی متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد حضرت موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ مسلمانوں کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔ مسافروں کے راستے کے سنگین خطرات سے باخبر کرنے والا دشمن نہیں ہوتا، یہاں مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جان سے زیادہ قیمت ایمان کی ہے کیونکہ جان اگر ضائع ہو جائے تو مرنے کے بعد پھر مل جائے گی لیکن ایمان ضائع ہو گیا تو دوبارہ اس کا حصول ناممکن ہے۔ اسی بنیاد کو سامنے رکھ کر حضرت فاضل مصنف کا یہ تبصرہ پڑھئے:

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی خرابی اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ سے مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ دین سے نکل جانے کے بعد پھر وہ دین میں پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک و بدعت کے غرور میں یہ لوگ محبوبان بارگاہ الہی کی نہ صرف توہین کرتے ہیں بلکہ اصول دین کی طرح دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں جس کی وجہ سے غیرت الہی انہیں اپنے غضب کا نشانہ بناتی ہے۔ (انوار احمدی، ص ۳۱۱)

بانی فرقہ وہابیت کا تعارف:

اس فرقے کا بانی محمد ابن عبد الوہاب نجدی ہے۔ ذوالخولصرہ نام کا مشہور گستاخ جس کا ذکر کئی حدیثوں میں آیا ہے، وہ قبیلہ بنی تمیم سے تھا اور ابن عبد الوہاب بھی تمیمی ہے۔ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ اسی کی نسل سے ہو۔ اس فرقے کی ایک علامت یہ بھی

بتائی گئی ہے کہ وہ نہایت التزام کے ساتھ اپنے سر کے بال منڈوائیں گے۔ حضرت فاضل مصنف نے شیخ عبدالرحمان اہل مفتی زبید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کی حقیقت سمجھنے کے لئے وہ نشانی بہت کافی ہے جس کی خبر مخبر صادق صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دی ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ سر منڈوایا کریں گے۔ اس فرقہ کی جتنی علامتیں بیان کی گئی ہیں انہیں حالات و واقعات پر منطبق کرنے کے بعد حضرت فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

علامات مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مخبر صادق صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرقہ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی گئی ہیں۔ ان احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت علامہ زینی و حلان مکی کی مستند کتاب "الذُرُرُ السَّنیۃ" میں اور بھی بہت سی علامتیں اس گروہ کی مذکورہ ہیں۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرقہ وہابیہ خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پر اس کا خروج ہوا اس لئے اس کا نام جدا گانہ قرار پایا اور وہ فرقہ اپنے بانی کی طرف منسوب ہوا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں مگر محتاط علماء نے جب دیکھا کہ عوام الناس انہیں ضرور برا بھلا کہیں گے اور اس میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے نام مبارک کے لفظ کی توہین ہوگی اس لئے وہ وہابی کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔ (انوار احمدی، ص ۳۱۴)

بانی فرقہ وہابیہ کے مظالم:

اب اس فرقہ وہابیہ کے بانی اور اس کے ساتھیوں نے اہل حق پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور منصب رسالت کی تنقیص کر کے اہل اسلام کی جودل آزاریاں کی ہیں، ان کی تفصیلات فاضل مصنف کے قلم سے پڑھئے۔ کلیجہ تڑپے گا، آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپکے گی، جذبہ عقیدت مجروح ہوگا اور فرط غضب سے دل کا عالم زیر و زبر ہونے لگے گا لیکن یہ پوری کہانی صبر و ضبط کے ساتھ آپ کو

لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ کبھی کہتا کہ مجھے قدرت ملی تو میں گنبد خضرا کو
ڈھا دوں گا۔ وہ کہتا تھا کہ میری لاشی حضور سے بہتر ہے کہ اس سے میرا
کام نکلتا ہے۔“ (انوار احمدی، ص ۳۱۶)

ایک انتہائی عبرتناک واقعہ

مصنف ابن ابی شیبہ، کے نام سے حدیث کی ایک نہایت مستند کتاب ہے اس میں حضرت
ابو طفیل کی روایت سے ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اسے چشم بصیرت سے پڑھئے
اور اندازہ لگائیے کہ بد عقیدوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر دین و ایمان کی برکتوں پر کیا پڑتا ہے؟

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانہء پاک میں ایک لڑکا پیدا
ہوا۔ جب حضور کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا تو حضور نے اُسے دُعا دی اور اس کی
پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دایا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی پر اتنے خوبصورت بال
اُگ آئے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے۔

جب وہ لڑکا جوان ہوا اور ان خوارج کا زمانہ آیا جن کی بد عقیدگی اور گستاخی بہت
ساری حدیثوں میں مذکور ہے۔ آج کی تبلیغی جماعت کی طرح اس وقت کے خارجی
بھی طرح طرح کی ترغیب دے کر نوجوانوں کو اپنی جماعت میں شامل کرتے
تھے۔ بد قسمتی سے وہ نوجوان بھی ان کے بہکاوے میں آ گیا اور ان کی جماعت میں
شامل ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ
اس کی پیشانی کے سارے بال جھڑ گئے۔

اس کے باپ نے جب بیٹے کا یہ حال دیکھا تو اسے گھر میں قید کر دیا، حضرت ابو طفیل
فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس نوجوان کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ ان کی صحبت کی
نحوست کا اثر تم نے دیکھ لیا کہ رسول انور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی دعا کی برکت تمہاری
پیشانی سے جاتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں
کیا ہم اُسے ہر طرح سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل سے ان کی
محبت نکل گئی اور ان کے عقائد سے اس نے توبہ کر لی تو دوستِ مبارک کی وہی نشانی

پھر اس کی پیشانی میں حق تعالیٰ نے پیدا کر دی۔ (انوار احمدی، صفحہ ۳۰۴)

اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث سے کئی امور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں

ایک یہ کہ جہاں آنحضرت ﷺ کا دست مبارک لگ گیا اس مقام کو ہمیشہ کے لئے ایک خصوصیت اور برکت حاصل ہو گئی۔

دوسرا یہ کہ ان ہر کتوں کے ظہور کے لئے وہی لوگ خاص کئے جاتے تھے جو برگزیدہ ہوں پھر جہاں ان میں کسی قسم کی خرابی آگئی وہ برکت جاتی رہی تاکہ طالبان حق کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ نیز اس طرح کا فیض انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتا تھا جو اہل حق ہوں اہل باطل اس سعادت سے محروم رہتے تھے۔

تیسرا یہ کہ جس کو آنحضرت ﷺ نے ازراہ شفقت دست مبارک لگا دیا عقائد باطلہ کا اثر اس کے دل میں راسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ باطل عقائد اس کے دل میں راسخ نہیں ہوتے تھے اسی لئے اسے توبہ نصیب ہوئی ورنہ احادیث کی صراحتوں کے مطابق باطل فرقے کا اثر جس کے دل پر جم جاتا ہے وہ کبھی راہ راست پر نہیں آ سکتا۔ (انوار احمدی، ص ۳۰۵)

ہندوستان میں وہابی فرقے کی نشاندہی

پچھلے اوراق میں حضرت فاضل مصنف کے قلم سے وہابی فرقے کی تاریخ آپ پڑھ چکے۔ کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کے مطالعے سے اتنی آگہی تو آپ کو ضرور ہو گئی ہوگی کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک ایک باطل اور گستاخ فرقہ روپ اور نام بدل بدل کر ہر زمانے میں موجود رہا ہے جانب مشرق یعنی نجد سے جس فتنے کے ظہور کی حضور ﷺ نے خبر دی ہے یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک مخبر صادق کی خبر ہے۔ اس لئے آپ کا ایمانی فریضہ ہے کہ اس

گروہ کو آپ تلاش کریں، علامتوں کے ذریعے اسے پہچانیں اور اس کے شرے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ ہندوستان میں وہابی مسلک کے علمبرداروں کی نشاندہی کے سلسلے میں بجائے اس کے کہ ہم کوئی بات اپنی طرف سے کہیں انہی حضرات کا اقراری بیان ہم اس کتاب کے قارئین کے سامنے رکھ دینا چاہتے ہیں۔

علماء دیوبند کا اعلان وہابیت

پہلا اقراری بیان

دیوبندی جماعت کے مقتدر پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ جن دنوں تھانوی صاحب کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ محلے کی چند عورتیں فاتحہ کرانے کے لئے مٹھائی لے کر مدرسہ میں آئیں۔ تھانوی صاحب کے طلبہ نے فاتحہ دینے کے بجائے مٹھائی لے کر خود کھالی۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ تھانوی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ آئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”بھائی! یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لئے کچھ مت لایا کرو۔“

(اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵)

دوسرا اقراری بیان

دیوبندی جماعت کے دوسرے مقتدر پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

محمد ابن عبد الوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ اُن کے عقائد عمدہ تھے۔

(فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

تیسرا اقراری بیان

تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین میں مولوی زکریا شیخ الحدیث سہارنپور، مولانا ابوالحسن علی ندوی، اور مولوی منظور نعمانی کے نام سرورق پر ہیں:

”سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی“ نامی کتاب جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مولانا منظور نعمانی، مولانا الیاس کے مرض الموت میں ان کی جانشینی کے مسئلے پر اپنی بے چینیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اور اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لو گے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا۔ بس انتظار کرو! اللہ سے دعا کرو!۔ اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب "میں خود تم سے بڑا وہابی ہوں" تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ اور درو دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں"۔ (سوانح مولانا محمد یوسف صفحہ ۱۹۳)

تھانوی صاحب سے لے کر مولانا منظور نعمانی، اور مولانا زکریا تک تبلیغی جماعت کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کے سامنے ہے کہ "ہم وہابی ہیں" "میں بڑا سخت وہابی ہوں" "میں تم سے بڑا وہابی ہوں"۔ کوئی دوسرا ان کے بارے میں یہ کہتا تو الزام سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یہ حضرات "وہابی" ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انہوں نے اپنی فحی گفٹگو اور تنہائی کی ملاقات میں کیا ہے اس لئے اُسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ واضح رہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صراحت کے مطابق ابن عبد الوہاب نجدی کی پیروی کرنے والوں کو "وہابی" کہتے ہیں۔

اتنی مضبوط اور ٹھوس شہادتوں کے بعد اب آپ کو انگلی اٹھا کر دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہابی کون ہے اور کونسا طبقہ وہابی مذہب کے خلاف سینہ سپر ہے۔ اگر اپنے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ساتھ آپ کے دل کا رشتہ صحیح ہے تو آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ